قاتل پرچھائیں

کاشف زبیر

جاسوسی ڈائجسٹ : نومبر 1999

پہلا رنگ

قاتل پرچھائیں

کاشف زبیر

پُراسرار موضوع پر بننے والی ایک فلم کی تکمیل کا قصّہ۔ اس کا مرکزی کردار ایک پرچھائیں تھی۔ مُصنّف کا دعویٰ تھا کہ یہ کہانی بالکل سچّی ہے اور یہ دعویٰ غلط بھی نہیں تھا۔ برسوں پہلے ظلم کی ایک داستان اس خوفناک اور قاتل پرچھائیں کو اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گئی تھی۔ ایک پرانی حویلی اس کا مسکن تھی اور پورے چاند کی راتوں میں وہ خون آشام پرچھائیں حرکت میں آجاتی۔

ظلم' نفرت' انتقام اور محبت کے زاویوں سے ترتیب پانے والا سنسنی خیز ڈراما

راولپنڈی سے تیس میل شمال مغرب میں میاں پور کا مختصر سے گاؤں تین اطراف سے پہاڑوں میں گھرا تھا۔ گاؤں میں بہ مشکل ڈیڑھ سو گھر ہوں گے۔ گاؤں سے ذرا ہٹ کر ایک بلند ٹیلے پر سرخ پتھروں کی بنی عظیم الشان حویلی تھی۔ اس کے احاطے نے کم ازکم چار ایکڑ جگہ گھیر رکھی تھی۔ اس حویلی سے فرلانگ بھر دور پہاڑی ڈھلان کے شروع میں کسی حویلی کے کھنڈرات تھے۔ وقت نے اس پرشکوہ عمارت کو ملبے کا ڈھیر بنادیا تھا۔ سوائے چند ایک کمروں کے تمام کی چھت گرچکی تھی۔ اوپری منزل تو مکمل طور پر غائب ہوچکی تھی۔ شمالی سمت کے کچھ کمرے سلامت تھے۔ تقریباً پچاس سال پہلے یہ حویلی خاصی آباد ہوا کرتی تھی۔ اس میں موجود جاگیردار میاں محمود علی کے باپ دادا رہا کرتے تھے مگر پھر کچھ ایسے پُراسرار واقعات پیش آئے کہ حویلی اجڑنے لگی۔ پہلے ملنے جلنے والوں نے ادھر کا رخ کرنا چھوڑا پھر ملازم اور میاں خاندان کے بیگاری غلام فرار ہوئے۔ میاں محمود علی کا باپ میاں منصور علی خاصا ضدی اور روشن خیال آدمی تھا۔ وہ آکسفورڈ سے پڑھا تھا۔ وہ ان باتوں کو نہیں مانتا تھا۔

پُراسرار واقعات کا آغاز حویلی کے شمالی حصے سے ہوا تھا۔ یہ حصہ مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ منصور کے جو انگریز دوست آتے تھے' وہ یہیں ٹھہرا کرتے تھے۔ ان کی تفریح طبع کے لیے منصور نے اس حصے کو بالکل انگریزی انداز میں سجایا تھا۔ وکٹورین انداز کا فرنیچر' فرش پر قالین' انگریزی طرز کا آتش دان اور دیواروں پر رنگین وال پیپر۔ دوسری خواب گاہ کی عقبی دیوار پر منصور نے ہالی ووڈ کی ایک اداکارہ کی تصویر پینٹ کرائی تھی۔ منصور کے انگریز دوست اس خواب گاہ میں ٹھہرنے پر اصرار کیا کرتے تھے لہٰذا اگر ایک سے زیادہ افراد ہوتے تو باقاعدہ قرعہ اندازی کرنی پڑتی تھی۔ زیادہ تر شکاری ہی آتے تھے کیونکہ اس علاقے میں شکار وافر مقدار میں تھا۔ تیتر' بٹیر' دوسرے پرندے جن میں سرد مغربی علاقوں سے ہجرت کرکے آنے والے پرندے بھی شامل تھے۔ خرگوش' ہرن' پہاڑی بکرے اور کبھی کبھار لومڑی یا بھیڑیا بھی مل جاتا تھا۔ اِکا دُکا ریچھ بھی تھے مگر وہ زیادہ تر پہاڑوں پر رہتے تھے۔ نیچے آنا پسند نہیں کرتے تھے۔

شکار کے سیزن کا آغاز ہوا ہی تھا کہ منصور کے کچھ انگریز دوست چلے آئے۔ یہ ولیم رابرٹ جو پولیس کے محکمے میں تھا۔ ولبر مارٹ اس کا باپ ایک لارڈ تھا لہٰذا وہ صرف تفریح کیا کرتا تھا۔ تیسرا نڈہان برگ تھا۔ ایک ادیب' یہ اور بات ہے کہ اس کا ادب بیشتر پبلشرز نے چھاپنے سے انکار کردیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ اس میں فحش نگاری کمال کی پائی جاتی تھی بلکہ اس لیے کہ اس کے ناولوں میں کہانی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ مسلسل ناکامی کے بعد نڈنے دل برداشتہ ہوکر ایک جہاز پر نوکری کرلی اور جب ہندوستان پہنچا تو یہیں کا ہوکر رہ گیا۔ ان دنوں وہ ہندوستان کے سیاسی اور معاشی حالات کے بارے میں انگلینڈ کے اخبارات اور رسائل کے لیے نامہ نگاری کررہا تھا۔

منصور کی بیوی ان دنوں اُمید سے تھی۔ شادی کے پانچ سال بعد ان کے ہاں پہلی اولاد متوقع تھی لہٰذا منصور نے دوستوں کے ساتھ شکار پر جانے سے معذرت کرلی البتہ اپنے کتے اور نوکران کے ساتھ کردیے تھے۔ سردیوں کا شکار صبح سویرے ہی ملتا تھا لہٰذا وہ صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی وہاں سے چل پڑے۔ اتفاق سے اسی روز منصور کی بیوی کو درد اٹھا اور دوپہر سے پہلے میاں محمود علی دنیا میں آچکا تھا۔ منصور اور اس کے باپ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا۔

منصور اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا اور اس کا باپ اپنے باپ کی اکلوتی نرینہ اولاد تھا۔ منصور کی دو پھوپی دادیاں بھی تھیں۔ میاں پور کی وسیع وعریض زرخیز اراضی انگریزوں نے ایک مخالف قبیلے سے چھین کر میاں منصور کے پردادا کو دی تھی۔ اس مخالف قبیلے کا سردار راجا احمد خان انگریزوں کا جانی دشمن تھا اور اس نے جنگِ آزادی میں ناکامی کے باوجود مرتے دم تک انگریزوں سے لڑائی جاری رکھی تھی۔ جب انگریز میدان میں اس پر قابو نہ پاسکے تو انہوں نے روایتی مکاری اور چالبازی سے کام لیا۔ راجا احمد خان کے مخالف قبیلے کو لالچ دیا کہ اگر وہ ان کا ساتھ دے تو کامیابی کے بعد انگریز یہ زرخیز زمین ان کے حوالے کردیں گے مگر مخالف قبیلے والوں نے یہ پیش کش حقارت سے ٹھکرا دی۔ احمد خان کا قبیلہ ان کا دشمن ضرور تھا مگر وہ ان کے دینی بھائی بھی تھے اور وہ ان کے خلاف انگریز کافروں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اس وقت قبیلے کا سردار منصور کے پردادا کا باپ تھا۔ اسے اپنے باپ کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے درپردہ انگریزوں سے رابطہ کیا اور ان کی مدد کے بدلے اپنے قبیلے کی سرداری مانگی۔ انگریز ایسے غداروں کی تاک میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی مدد کا وعدہ کیا لہٰذا ایک دن قبیلے کا سردار سانپ کے کاٹنے سے مرگیا اور منصور کا پردادا قبیلے کا سردار بن گیا۔ انگریزوں نے اس کی مدد سے جنگلوں میں راجا احمد خان کو گھیرلیا۔ اس کے اکثر ساتھی مارے گئے مگر وہ زخمی حالت میں بھاگنے میں کامیاب رہا۔ وہ بھاگ کر قبائلی علاقے میں چلا گیا۔ انگریزوں نے اس کے تعمیر کردہ قلعے پر ہل چلوا دیے اور میاں پور کی پوری زمین منصور کے پردادا کے نام کردی۔ اس کے قبیلے والوں نے اپنی زمین چھوڑ کر وہاں آنے سے انکار کردیا لہٰذا راجا محمد خان کے بچے کھچے ساتھی جنہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے، میاں پور میں آباد ہوگئے۔ اپنوں کی غداری سے انہیں یہ دن دیکھنے پڑے تھے۔ اپنی ہی زمینوں پر کسان بن کر کام کررہے تھے۔ زمین بہت زرخیز تھی۔ پانی کی فراوانی تھی مگر قابلِ کاشت رقبہ کم ہونے کی وجہ سے میاں پور کی آبادی کم ہی رہی۔ لوگ رزق اور روزگار کی

تلاش میں ہجرت کرتے رہے۔ صرف وہی یہاں بسے رہے جن میں نئے جہان تلاش کرنے کی ہمت نہ تھی۔
نہ جانے یہ قدرتی عمل تھا یا میاں خاندان کی پالیسی' ان میں اولادِ نرینہ کی تعداد ہمیشہ کم رہی۔ اکثر تو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ بہرحال اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جاگیر تقسیم ہونے سے محفوظ رہی۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے پاس جاگیر بڑھانے کے لیے زمین نہیں ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ وارث کم رہیں۔ میاں منصور کو اس کے باپ نے پڑھنے کے لیے ولایت بھیج دیا۔ جہاں سے وہ انگریزی رسم ورواج کے ساتھ نئے زمانے کی باتیں بھی سیکھ کر آیا۔ اسی نے فرسودہ طریقے ترک کرکے اپنی جاگیر کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ مشین کی طاقت سے ناہموار میدانوں کو ہموار کیا کہ ڈھلانوں پر جنگل صاف کرکے باغات لگائے۔ اس کا ارادہ میاں پور کو ایک بڑے فارم ہاؤس میں تبدیل کرنے کا تھا مگر آنے والے حالات اور واقعات نے نہ صرف اس کے منصوبوں بلکہ اسے بھی زیروزبر کرکے رکھ دیا۔
بیٹے کی خوشی میں وہ اتنا مگن تھا کہ دوستوں کو بھول ہی گیا۔ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ رات گئے واپس آگئے تھے۔ نوکر اور کتے پہلے ہی آچکے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ان کے پاس شکار کیا ہوا کوئی پرندہ یا جانور نہیں تھا۔ اس کے باوجود بہت خوش نظر آرہے تھے۔ خاص طور پر مڈ کے چہرے کی تمتماہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کوئی شاندار تفریح کرکے آیا ہے۔ رات کو ان کے ساتھ نومولود کی صحت کا جام تجویز کرتے ہوئے منصور کو خیال آیا کہ وہ خلافِ معمول زیادہ ہی خوش تھے۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔
"کیا بات ہے آج کوئی خاص شکار کھیلا؟"
"خاص شکار۔" تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان کا قہقہہ بلند ہوا۔ "ہاں خاص شکار۔" مڈ بولا "مگر چار پیروں والا نہیں دو پیروں والا۔"
"کیا مطلب کوئی بندہ مار دیا؟" منصور حیران رہ گیا۔
"بندہ نہیں بندی۔" مڈ معنی خیز انداز میں بولا۔
جب منصور کی سمجھ میں آیا تو اس کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔ "اب سمجھ میں آیا کہ میرے دوست اتنے خوش کیوں نظر آرہے ہیں۔ ویسے لڑکی کون تھی۔ میاں پور کی تو ہو نہیں سکتی ورنہ اب تک مجھے معلوم ہوچکا ہوتا۔"
"یہ مڈ سے پوچھو۔" ولیم بولا "لڑکی اسی نے تلاش کی تھی اور اسی نے اسے قابو کیا تھا۔"
مڈ خباثت سے ہنسا "مت پوچھو کیسی لڑکی تھی۔ میں نے اسے اوپر ایک جھرنے سے نہاتے دیکھ لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کپڑے سنبھالتی ہوئی بھاگی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا۔ یہ دونوں گدھے اتنے سست تھے کہ اگر میں ان کی رفتار سے بھاگتا تو اسے کھو ہی دیتا۔ اس کے باوجود مجھے ایک لمحے کی چوک ہوجاتی تو وہ غائب ہوچکی ہوتی۔ اتفاق سے میں نے اسے جھاڑیوں میں گھستے دیکھ لیا۔ یہ جھاڑیاں غار کے منہ پر تھیں اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی غار ہوگا۔"
"عورت کے معاملے میں مڈ کی نگاہ اور ناک ہمیشہ تیز رہی ہے۔" ولبر نے موقع پاکر بدلہ چکایا۔
"صحیح کہا۔" مڈ نے ڈھٹائی سے کہا "میں اندر گھسا ہی تھا کہ وہ مجھ پر شیرنی کی طرح جھپٹی۔ اگر میں ہوشیار نہ ہوتا تو ظالم گردن کاٹ کر رکھ دیتی۔ اس کے ہاتھ میں فٹ بھر کا چھرا تھا۔ بڑی مشکل سے ہم تینوں نے مل کر قابو پایا۔ وہ جنگلی بلی کی طرح مچل رہی تھی۔ ولیم نے اسے رسی سے باندھ دیا مگر اس کی تڑپن کم نہیں ہوئی۔"
"وہاں تو کسی جادوگر کا غار تھا۔ عجیب عجیب چیزیں تھیں۔ انسانی ہڈیاں کھوپڑیاں' جانور کے جسم کے حصے' دیواروں پر ایک عجیب سی شکل بنی ہوئی تھی۔ میں اور ولبر غار دیکھنے میں لگ گئے مگر اس خبیث نے ہمیں باہر دھکیل دیا۔" ولیم نے برا سا منہ بنا کر مڈ کی طرف دیکھا تو وہ ہنس دیا۔
"منصور میں نے دیکھا ہے یہاں کی لڑکیاں بڑی زوردار ہوتی ہیں۔ آخر تک مزاحمت کرتی ہیں۔ ایک ہمارے ہاں کی عورتیں مرد کے اشارے سے پہلے ہی تیار ہوجاتی ہیں۔ بھلا اس شکار کا کیا مزہ جو فوراً گولی کے سامنے آجائے۔"
"تو اسی وجہ سے تم لوگوں کو اتنی دیر ہوگئی۔" منصور بولا۔
"نہیں دیر تو قبر کھودنے میں لگی تھی۔ سردی کی وجہ سے زمین سخت ہورہی تھی۔"
منصور چونکا "تو تم لوگوں نے اسے مار دیا۔"
"وہ خود مرگئی۔" مڈ نے اعتراف کرنے کے انداز میں کہا۔ "جب میں تیسری بار اس کے پاس گیا تو وہ مرچکی تھی۔"
ان وحشی صفت لوگوں کو یہ احساس نہیں تھا کہ ان کے درندگی آمیز سلوک نے اس لڑکی کو مار دیا تھا۔ منصور نے اطمینان کا سانس لیا۔
"چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر لڑکی زندہ رہتی تو بڑے مسائل کھڑے ہوجاتے۔ ظاہر ہے وہ وہاں اکیلی تو نہیں رہتی ہوگی۔"
"ٹھیک کہا۔ مجھے وہاں کچھ ایسی چیزیں بھی نظر آئی تھیں جو ایک مرد ہی استعمال کرسکتا ہے۔" ولیم نے تائید کی "ویسے ہم نے کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ احتیاطاً نوکروں اور کتوں کو بھی واپس بھیج دیا تھا۔ انہیں کچھ معلوم نہیں۔"
"اور معلوم بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔" مڈ نے قہقہہ لگایا۔ اس کے لہجے میں انگریزوں کا مخصوص غرور بول رہا تھا۔ وہ حاکم تھے یہاں کے اور ان کے لیے سب کچھ جائز تھا۔
"یہ مت کہو۔" ولیم نے اسے ترچھی نظر سے دیکھا "اب حالات بدل رہے ہیں۔ مجھے لگ رہا ہے جلد ہمیں یہاں سے بوریا بستر گول کرنا پڑے گا۔ تمہیں معلوم ہے دو دن پہلے لاہور میں برٹش سپاہیوں نے گولی چلائی تھی' اس کا کتنا شدید ردِعمل ہوا تھا۔ اگر ..... پنجاب رجمنٹ کے جوان نہ آتے تو سپاہیوں کا وہاں سے نکلنا

دشوار ہو جاتا۔"

پھر وہ لوگ سیاسی بحث میں الجھ گئے۔ منصور فکر مند تھا کہ نہ جانے نئی مملکت اس جیسے جاگیردار سے کیا سلوک کرے۔ احتیاطاً وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گیا تھا۔ باتوں کے دوران میں ڈ نے جیب سے ایک عجیب سی چیز نکال کر میز پر رکھ دی۔ یہ کسی ہلکی لکڑی کا چوکور ٹکڑا تھا۔ بالکل پتلا اور اس کے بیچ میں ایک عجیب سی شبیہ کھدی ہوئی تھی۔ یعنی لکڑی کو درمیان سے مخصوص طور پر کاٹ کر اس میں شبیہ ابھاری گئی تھی۔ اسے دیکھ کر منصور کو اپنے جسم میں سنسنی سی محسوس ہوئی۔ اس نے شبیہ اٹھا کر جلتے لیمپ کے سامنے کی تو سامنے دیوار پر عجیب سی شکل ابھر آئی۔ یہ بندر یا بن مانس قسم کے کسی جانور کی شبیہ تھی۔ جانور کے چاروں طرف عجیب اشکال نظر آ رہی تھیں۔ بظاہر یہ سمجھ میں نہ آنے والی چیز تھی۔ شبیہ کا سایہ دیوار پر بنی اداکارہ کی تصویر کے اوپر پڑ رہا تھا۔ چاروں دوست شبیہ کو دیکھ کر چند لمحے کے لیے مبہوت رہ گئے۔ معاً ڈ نے قہقہہ لگایا۔ اس نے شبیہ منصور سے لے کر آتش دان میں پھینک دی۔ جیسے ہی شبیہ آتش دان میں گری۔ بھیانک گرج کی آواز آئی۔ ایسے لگا جیسے کوئی عظیم الجثہ درندہ دھاڑا ہو۔ چند لمحے کو تو وہ چاروں سہم گئے۔

"مم.... میرا خیال ہے بادل گرجے ہیں۔" منصور ہکلایا۔

حالانکہ باہر چٹکتی چاندنی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ آسمان بالکل صاف تھا۔ ابتدا میں انہیں گوشت جلنے جیسی تیز بو بھی محسوس ہوئی تھی مگر صرف ایک دو لمحے کے لیے۔ کسی نے دوسرے سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ معاً باہر سے کسی کے چلّانے کی آواز آئی۔ کچھ دیر بعد منصور کا منشی خدا بخش اندر داخل ہوا۔ وہ ادھیڑ عمر کا مضبوط جسم والا شخص تھا۔

"سرکار، ایک پاگل سادھو اندر گھس آیا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے اپنی بیٹی کا قاتل چاہیے۔"

یہ سنتے ہی ڈ، ولیم اور ولبر چونک سے گئے۔ منصور نے معنی خیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا پھر خدا بخش سے کہا "اسے بھگا دو۔"

خدا بخش ہچکچایا "صاحب! ہم نے کوشش کی تھی مگر سادھو جانے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ وہ حویلی کے اندر گھس آیا ہے۔"

"حویلی میں گھس آیا ہے؟" منصور کا چہرہ سرخ ہو گیا "اس کی جرأت کیسے ہوئی اور تم لوگوں کے ہوتے ہوئے وہ اندر کیسے آیا۔"

"صاحب، ہم نے کوشش کی تھی مگر اس کے اندر بہت جان ہے۔ وہ دس بارہ نوکروں کو دھکیل کر اندر آ گیا۔"

منصور کا طیش دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ پھٹ پڑے گا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا "آؤ میرے ساتھ۔"

ولیم، ڈ اور ولبر اس کے پیچھے تھے۔ وہ حویلی کے دالان میں پہنچے وہاں چھ سات ہٹے کٹے افراد ایک سادھو سے لپٹے ہوئے تھے اور اسے کھینچ کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ کسی تناور درخت کی طرح اپنی جگہ کھڑا جھوم رہا تھا۔ معاً اس نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا تو اس سے چمٹے ہوئے افراد پیچھے جا گرے۔ سادھو جٹا دھاری تھا۔ گھنی داڑھی مونچھوں اور لمبے بالوں کے ساتھ وہ خاصا ہیبت ناک نظر آ رہا تھا۔ اس کی سرخ نگاہیں منصور کے پیچھے آنے والے ڈ، ولیم اور ولبر پر مرکوز تھیں۔

"تو یہ ہیں ہتیارے۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا مگر وہاں موجود ہر فرد نے یہ جملہ صاف سنا۔

نہ جانے کیوں منصور کو بھی اپنا غصہ سرد پڑتا محسوس ہوا۔ "کون ہو تم اور اس طرح یہاں کیوں گھس آئے۔"

"سادھو ہیں مہاراج اور کچھ درندوں کی تلاش میں آئے ہیں جو ہماری بیٹی کی ہتیا کے ذمے دار ہیں۔ ہم ان سے انتقام لیں گے۔" سادھو نے یہ جملہ بڑے سادہ انداز میں کہا تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔

"کون ہے تمہاری بیٹی کے ہتیارے۔" منصور نے غیر ارادی طور پر پوچھ لیا۔

"یہ تینوں پاپی جو تیرے پیچھے کھڑے ہیں۔" سادھو نے نفرت سے ان تینوں کی طرف ہاتھ جھٹکا۔ ڈ، ولبر اور ولیم کے چہرے سفید پڑ گئے تھے۔ "میرے ہاتھوں میں اتنی قوت ہے کہ ان ہتیاروں کو سزا دے سکوں لیکن یہ ان کے لیے بہت آسان موت ہوگی۔ میں ان سے بھیانک انتقام لوں گا۔ ان لوگوں نے میرے استھان سے جو ہنو چرائی تھی، وہی ان کی تباہی کا باعث بنے گی۔ وہ ہنو جو انہوں نے جلا دی ہے۔ انہوں نے ہنو کو آزاد کر دیا۔ اب وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔" یہ کہہ کر سادھو نے وحشیانہ قہقہہ لگایا پھر وہ منصور کی طرف مڑا "مہاراج اپنے بھگوان کا شکریہ ادا کرو، میں نے تمہیں معاف کیا لیکن ان ہتیاروں کی یاری کا تمہیں کچھ نہ کچھ کشٹ بھگتنا پڑے گا۔ اب تم اپنے باپ دادا کی اس حویلی میں آباد نہیں رہ سکو گے اور یہاں رہنے کی کوشش کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

یہ کہہ کر سادھو مڑا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی جیسے سحر ٹوٹ گیا۔ منصور اور اس کے انگریز دوست چونک کر ہوش میں آ گئے۔ وہ تینوں پھر مہمان خانے میں لوٹ آئے۔ ولیم اور ولبر خوف زدہ نظر آ رہے تھے اور وہ اردو جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ سادھو کیا کہہ کر گیا تھا۔ البتہ ڈ بے فکر نظر آ رہا تھا۔ غالباً اس لیے کہ اسے کوئی مقامی زبان نہیں آتی تھی مگر جیسے ہی ولیم نے اسے سادھو کی گفتگو سے آگاہ کیا، وہ بھی خوف زدہ نظر آنے لگا۔

"لعنت بھیجو۔" اچانک منصور نے قہقہہ لگا کر ماحول کے تناؤ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ان تینوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ پھر کھانے پینے کے شغل میں لگ گئے مگر صاف لگ رہا تھا یہ سب اوپر سے کر رہے ہیں، اندر سے وہ متفکر ہی تھے۔ کچھ دیر بعد محفل

برخاست کردی گئی اور سب اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

یہ خواب گاہ جس میں تصویر لگی تھی، مُڈ کے حصے میں آئی تھی۔ ان تینوں کے جانے کے بعد وہ پیتا رہا۔ باہر پورا چاند روشنی بکھیر رہا تھا اور اس کی روشنی بڑے سائز کی کھڑکی سے داخل ہو کر کمرے کو بھی روشن کررہی تھی۔ اچانک بلب خود بہ خود بجھ گیا۔ مُڈ نے بڑبڑا کر بلب پر لعنت بھیجی اور بوتل اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا۔ معاً اسے یوں لگا جیسے اس کے عقب میں کوئی درندہ غرایا ہو۔ وہ تیزی سے گھوما مگر کوئی نہیں تھا۔ مُڈ ایک بار پھر خوف محسوس کرنے لگا۔ اس نے کھڑکی بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ کھڑکی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غراہٹ دوبارہ سنائی دی اور کھڑکی کی چوکھٹ سے ایک عجیب وغریب چیز ابھرنے لگی۔ یہ بالکل سیاہ تھی اور سائے نما لگ رہی تھی۔

"شاید مجھے نشہ ہوگیا ہے۔" مُڈ زیرِ لب بڑبڑایا مگر وہ چیز پوری طرح کھڑکی سے ابھری تو مُڈ کا نشہ ہرن ہوگیا۔ یہ بالکل اسی شبیہ جیسی تھی جو اس نے سادھو کے غار سے اٹھائی تھی اور پھر آتش دان میں جلا دی تھی۔ مارے دہشت کے اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ وہ چیز خاصی بلند ہو کر اب ہوا میں معلق تھی۔ چاندنی کی وجہ سے عقبی دیوار پر اس کا عکس پڑ رہا تھا۔ اس کا ایک حصہ مُڈ کی آستین پر بھی تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ آستین پر پڑنے والا سایہ چمک دار پیلے رنگ کا تھا جب کہ عقبی دیوار کی تصویر پر سایہ سیاہ رنگ کا تھا۔ یہ ایک رونگٹے کھڑے کردینے والا منظر تھا۔ اچانک کھڑکی میں معلق شبیہ یوں نظر آنے لگی جیسے کوئی خوں خوار بن مانس اپنے دشمن پر حملہ آور ہونے والا ہو۔

مُڈ کو اپنے پیروں کے قریب حرارت سی محسوس ہوئی۔ اس نے بوکھلا کر نیچے دیکھا۔ اس کے پیروں کے نزدیک زمین سے سفید روشنی سی اٹھ رہی تھی۔ اس سے گرمی کی تیز لپیٹیں نکل رہی تھیں۔ اچانک روشنی تیزی سے اٹھنے لگی اور ساتھ ہی مُڈ کو یوں لگا جیسے اسے شعلوں میں پھینک دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ ان کے ڈیلے سفید ہوگئے۔ جسم کی ہر رگ ابھر آئی۔ اس کا منہ پھٹ گیا۔ جیسے وہ پوری قوت سے چیخنا چاہتا ہو مگر اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہیں نکلی تھی۔ گرم ہوا کی لپیٹوں نے اس کے لباس اور جسم کو جلانا شروع کردیا۔ اس کی قمیص کی آستین تیزی سے جلنے لگی۔ گرمی کی لپیٹیں اتنی تیز تھیں کہ عقب میں بنی تصویر بھی دھندلانے لگی۔ شبیہ غرا رہی تھی جیسے خوشی سے ہنس رہی ہو۔

ایک منٹ بعد وہاں کچھ نہیں تھا۔ کمرے کا بلب بھی خود بہ خود جل اٹھا تھا۔ مُڈ زمین پر ایک گٹھری کی صورت میں پڑا تھا۔ اگلی صبح جب ملازم کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے بعد ہی وہ چیختا چلاتا بھاگ کھڑا ہوا۔ اس بے چارے سے مُڈ کی لاش دیکھی نہیں گئی تھی۔ جو اس بری طرح جلی ہوئی تھی کہ شناخت بھی مشکل تھی۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور گوشت ابل کر باہر آگیا تھا۔

منصور نے اس کی لاش دیکھ کر کمرا بند کرا دیا اور اپنے منشی کو مقامی تھانے کی طرف دوڑایا۔ اس کے بعد وہ تینوں بڑے کمرے میں جمع ہوگئے۔ ان تینوں کے ذہن میں رات کی سادھو کی دھمکی گونج رہی تھی اور وہ اسے سادھو کا انتقام ہی سمجھ رہے تھے مگر کہتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

ولیم اور ولبرا تنے خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے اسی روز وہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا مگر جیپ کی خرابی کے باعث وہ شام گئے ہی روانہ ہوسکے۔ منصور نے انہیں اندھیرے میں سفر کرنے سے منع کیا۔ یہ راستہ خطرناک تھا مگر وہ نہیں مانے۔ اگلے روز کچھ چرواہوں نے ان کی جیپ ایک کھڈ میں پڑی ہوئی پائی۔ دونوں مرچکے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ان کی موت کی وجہ حادثہ نہیں تھا بلکہ ان کا حال بھی مُڈ جیسا تھا۔ وہ بری طرح جھلس کر مرے تھے۔

ان سنسنی خیز وارداتوں سے علاقے میں دہشت پھیل گئی۔ سینہ بہ سینہ چلتے سادھو کے انتقامی جملوں نے کچھ ایسی صورت اختیار کرلی تھی کہ لوگوں نے ڈر کے مارے شام کے بعد گھروں سے نکلنا بند کردیا۔ منصور بھی اتنا خوف زدہ ہوا کہ اس نے مہمان خانے کے کمرے بند کرا کے وہاں جانے پر پابندی لگادی۔ خود حویلی کے ملازمین وہاں جاتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ پابندی کے بعد انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

منصور کے بوڑھے باپ حشمت علی کو علم ہوا تو اس نے بیٹے کو حویلی چھوڑ دینے پر زور دیا۔ وہ پُراسرار چیزوں پر بہت یقین رکھتا تھا۔ اس نے منصور کے منع کرنے کے باوجود کچھ عاملوں کو طلب کرلیا تھا۔ ان سب کی متفقہ رائے تھی کہ حویلی پر بڑا خوف ناک آسیب قابض ہے اور انہیں آسیب بھگانے کے لیے بڑی جان مارنا پڑے گی۔ انہوں نے درکار اشیا کی ایک لمبی فہرست اسے تھمادی۔ حشمت علی کے لیے کیا مشکل تھا۔ اس نے حویلی کا اوپری حصہ ان عاملوں کے لیے مخصوص کرکے ان کی مطلوبہ اشیا انہیں پہنچادیں مگر اگلے ہی دن ان عاملوں کی لاشیں اسی انداز میں پائی گئیں جیسے مُڈ کی لاش ملی تھی تو باقی عامل میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس کے بعد بھی عامل آتے رہے مگر کوئی کامیاب نہیں ہوسکا پھر حشمت علی نے سادھو اور جوگیوں سے رابطہ کیا۔ وہ بھی کچھ نہ کرسکے۔ البتہ جب انہیں پُراسرار شبیہ اور اس کے واقعات کا علم ہوا تو وہ بے حد دہشت زدہ ہوگئے۔ اکثر تو کچھ بتائے بغیر ہی بھاگ گئے۔ صرف ایک جوگی نے حشمت علی کو بتایا۔

"مہاراج' یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔ آزاد ہنو کو صرف وہی قابو کرسکتا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور ہو اور ہم خود میں اتنی طاقت نہیں پاتے۔"

اس کے بعد پُراسرار واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلے اوپر منزل کے کمروں میں آگ لگ گئی۔ ناقابلِ فہم انداز میں بھڑک اٹھنے والی اس آگ پر بہ مشکل قابو پایا گیا۔ اس نے خاصا نقصان پہنچایا

تھا۔ خاص طور سے منصور کے جمع کیے ہوئے متعدد قیمتی نوادرات اس آگ کی نظر ہوگئے تھے۔ اس کے ایک ہفتے بعد حویلی کے اصطبل کے بہترین گھوڑے مردہ پائے گئے۔ ان کے جسموں سے خون غائب تھا۔ اس واقعے نے رہی سہی کسر پوری کردی اور ملازمین ایک ایک کرکے فرار ہونے لگے۔ کوئی دھمکی اور حربہ انہیں رکنے پر تیار نہیں کرسکا پھر ایک روز منصور کی بیوی نے اپنے کمرے کی کھڑکی پر وہی پُراسرار شبیہ دیکھی اور اگلے روز محمود کو لے کر اپنے میکے چلی گئی۔ اس نے منصور سے کہلوا بھیجا "اگر مجھے بلانا چاہتے ہو تو کہیں اور رہائش کا بندوبست کرلو۔"

منصور اپنے اکلوتے بیٹے کو بے حد چاہتا تھا۔ اس کی جدائی ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں تھی لہٰذا اس نے حویلی سے کچھ ہی دور ایک بلند ٹیلے پر نئی حویلی کی تعمیر شروع کرادی۔ عجیب بات تھی کہ حویلی ایک برس میں جاکر تیار ہوئی۔ اس دوران میں منصور اور اس کا خاندان پرانی حویلی میں رہتا رہا مگر کوئی پُراسرار واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ جیسے ہی میاں خاندان نئی حویلی میں منتقل ہوا۔ ایک رات پرانی حویلی میں آگ بھڑک اٹھی۔ جو اتنی شدید تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے حویلی جل کر... ملبے کا ڈھیر بن گئی مگر حیرت انگیز طور پر مہمان خانے والا حصہ محفوظ رہا تھا۔ آگ وہاں تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ چند برسوں میں پرانی حویلی اور اس کے اردگرد کے علاقے میں جھاڑ جھنکاڑ اگ آیا اور اب وہاں لوگ ان میں جاتے ہوئے بھی خوف کھاتے تھے۔ اگر کسی کو اس طرف کے جنگل میں بھی جانا ہوتا تھا تو اس سے کترا کر جاتا۔ پُراسرار واقعات اس کے بعد بھی جاری رہے۔ لوگوں نے رات کو اور خاص طور سے چاندنی راتوں میں وہاں سائے نما کوئی چیز گھومتے پھرتے دیکھی۔ کبھی کبھار یہ سایہ اتنا بڑا ہوجاتا کہ بستی سے بھی نظر آتا تھا مگر ایسا شاذونادر ہی ہوتا تھا۔ بستی کے کچھ جرائم پیشہ نوجوانوں نے پرانی حویلی کو اپنا مسکن بنانا چاہا تو وہ بھی عبرت ناک واقعات سے دوچار ہوئے۔ ان میں سے تین مرگئے تھے۔ موت کی وجہ وہی تھی۔ یعنی بری طرح جھلسنا۔ ایک نوجوان جو بچ گیا تھا، اس نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ پاگل ہوگیا اور جب علاج معالجے سے ٹھیک نہیں ہوا تو مجبوراً اسے پاگل خانے میں داخل کرنا پڑا۔ ایسے ہی واقعات نے پرانی حویلی سے بستی کے لوگوں کو اتنا خوف زدہ کردیا کہ وہ اس کے ذکر سے بھی گریز کرنے لگے۔

○☆○

میاں پور ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جیسے گاؤں ملک بھر میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ جہاں کے لوگ ابھی تک انیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔ وہاں بجلی نہیں تھی۔ لوگ اب تک لالٹین جلایا کرتے تھے۔ گیس نہیں تھی۔ لکڑی اور کوئلے استعمال ہوتے تھے۔ انہیں صرف پینے کے پانی کی سہولت تھی۔ میاں پور میں جابجا قدرتی چشمے تھے جن کا صحت بخش پانی لاجواب تھا۔ زیادہ تر لوگ میاں محمود کی زمینوں پر کام کرتے تھے۔ کچھ نے مختلف پیشے اپنا رکھے تھے جن کی ایک گاؤں میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ لوہار، دھوبی، قسائی اور نائی وغیرہ۔ میاں پور میں ایک پرائمری اسکول بھی تھا۔ جہاں بچے پڑھتے کم تھے اور تختیاں زیادہ لڑاتے تھے۔

اقبال عرف بلا نے گھر میں گھستے ہی نعرہ لگایا "تائی کھانا، بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔"

"آگیا حرامی۔" تائی نے زیرِلب کہا پھر بولی "جا باورچی خانے میں کھانا وہیں رکھا ہے۔"

دبلے پتلے بلے کو بھوک بہت لگتی تھی۔ وہ کھاتا بھی بے تحاشا تھا اور اس کے جسم کو دیکھ کر اس کی خوراک کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ بلا کا باپ راجا اسلم اپنے دو بھائیوں رحمت اور احمد سے چھوٹا تھا۔ وہ میاں محمود کے اصطبل میں کام کرتا تھا۔ وہ گھوڑوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ اپنے کام میں ماہر تھا اس لیے اکثر میاں جی سے انعام واکرام پاتا رہتا تھا۔ گھر وہی چلا رہا تھا۔ رحمت بھائیوں میں بڑا تھا اور نکھٹوؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اِدھر اُدھر پھرتا رہتا اور اگر کوئی کام مل جاتا تو اسی وقت گھر آتا جب تک ایک ایک پیسہ خرچ نہیں کردیتا۔ بڑی تائی ہر وقت روتی اور اپنے مجازی خدا کو کوستی رہتی تھی۔ چھوٹا احمد کام کرتا تھا مگر اس کی تمام ہی آمدنی جوئے اور سینما کی نظر ہوجاتی تھی۔ چھوٹی تائی کا حال بھی مختلف نہیں تھا۔ رہی بلے کی ماں تو وہ اسے جنم دیتے وقت ہی چل بسی تھی۔ وہ کشمیری تھی جسے اس کا باپ بیاہ لایا تھا۔ ایک سال بعد وہ شوہر کو بلا کا تحفہ دے کر زندگی سے منہ موڑ گئی۔ بلا نہایت خوب صورت بچہ تھا۔ خاص طور پر اس کے سنہرے بال اور سرخ وسفید رنگت بالکل ماں پر گئی تھی مگر اسلم کو غم نے مار رکھا تھا۔ اسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ بچے پر توجہ دیتا۔ گاؤں کی ایک عورت جس کا ایک بچہ تھا، ازراہِ ہمدردی بلے کو دودھ پلانے لگی۔ تین مہینے بعد اس نے بھی آنا بند کردیا تو معصوم بلا گھنٹوں بھوک سے روتا بلبلاتا رہتا اور جب قریب المرگ ہوجاتا تو تائی بے زاری سے گندی سندی بوتل میں دودھ بھر کر اس کے منہ میں ٹھونس دیتی پھر دونوں تائیوں نے باری باری طے کرلی۔ ایک دن بلا بڑی تائی کے ہاں رلتا اور دوسرے دن چھوٹی تائی کے ہاں۔ باپ کو اس کی ماں کے غم سے فرصت ملی تو غمِ روزگار نے گھیرلیا۔ وہ منہ اندھیرے میاں جی کے اصطبل پہنچ جاتا تو اس کی واپسی رات گئے ہی ہوتی۔ نیند اور تھکن سے وہ اتنا چور ہوتا کہ بلے کو خود سے لپٹا کر سوجاتا۔ صبح تک بلا اسے ٹھیک ٹھاک گندہ کرچکا ہوتا تھا یہ اور بات تھی کہ بے ہوشی جیسی نیند میں اسے پتا ہی نہیں چلتا۔ البتہ وہ بلے پر اتنا کرم ضرور کرتا کہ جانے سے پہلے اسے صاف ستھری بوتل میں دودھ بھر کر دے جاتا۔

بلا پلتا کم اور رلتا زیادہ رہا۔ اس کی تائیوں کی متفقہ رائے تھی کہ بلے کی ماں ان کے خلاف سازش کے طور پر مری تھی تاکہ یہ

مصیبت انہیں پالنی پڑے۔ وہ خود مرگئی اور اپنا بلا ان کے متّھے مار گئی۔ وہ بلے کو بلا ہی کہتی تھیں۔ دوسرا اتفاق جو تائیوں میں پایا جاتا تھا وہ یہ کہ بلے سے بڑا حرامی آج تک اس علاقے میں پیدا نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ بلے کی ماں کی خوب صورتی سے جلتی تھیں۔ وہ ان پڑھ اور جاہل ہی نہیں' بدصورت اور بدزبان بھی تھیں جن کا مقصدِ حیات..... 'شوہروں کے جوتے اور گالیاں کھانا اور ان کے بچے پیدا کرنا تھا۔ بڑی تائی کو شوہر کی آوارہ گردی پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا کہ گھر آنے پر تھا۔ گھر آکر وہ اس کے لیے عذاب بن جاتا تھا۔ ذرا سی بات پر اسے روئی کی طرح دھنک دیتا اور یہ ذرا سی بات عموماً وہ رقم ہوتی جو رحمت بیوی سے طلب کرتا اور اسے نہیں ملتی تھی۔ چھوٹی تائی کو بھی میاں کے سنیما جانے اور جُوا کھیلنے پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا کہ عارفہ کے گھر جانے پر تھا جو علاقے میں حرافہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے گھر جوا ہوتا تھا اور علاقے بھر کے جواری بڑے شوق سے وہاں لٹنے جاتے تھے۔ عارفہ کے حسن بے حجاب کی چکاچوند میں انہیں پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کے ساتھ کیا ہاتھ کی صفائی دکھادی گئی ہے اور جو جان جاتے تھے' وہ عارفہ کے سانڈ نما شوہر کی وجہ سے خاموش ہوجاتے۔

اگر اسلم کما کر گھر نہ چلاتا تو ان کے بچے فاقے کرتے مگر جہالت' حالات کی سختی اور تنگ دستی نے ان سے اتنی انسانیت بھی چھین لی تھی کہ جواب میں وہ اس کے بچے کو پیار نہ دے سکیں تو... کم ازکم درست طور پر اس کی دیکھ بھال ہی کرلیں۔ وہ ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو وہ اس کی طرف سے بالکل ہی بے خبر ہوگئیں۔ وہ سارا دن ایک میلی سی قمیص میں مٹی میں لوٹتا رہتا۔ از خود جاکر کھالیتا تو ٹھیک ورنہ کسی کو اس کی خوراک کی پروا بھی نہیں تھی۔ بچپن میں فاقوں نے اس میں کھانے کی ہوس بھردی تھی مگر تائیاں کھانے پر کڑی نگاہ رکھتی تھیں۔ مجبوراً اسے چوری کرنا پڑتی۔ رفتہ رفتہ وہ اتنا طاق ہوگیا کہ تائیاں اپنے بچوں کو گالیاں دیتی رہ جاتیں۔ بلے کی طرف ان کا خیال ہی نہ جاتا مگر ایک روز وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ بڑی تائی نے اسے مارا پھر چھوٹی تائی اور اس کے بعد دونوں نے مل کر پیٹا۔ وہ بہت رویا البتہ کچھ عرصے بعد اتنی ڈھیٹ ہڈی ہوگیا کہ مار کھاکر ہنستا رہتا۔ الٹا تائیوں کے ہاتھ میں درد ہونے لگتا۔ کسی چیز سے اسے مارتے ہوئے انہیں ڈر لگتا تھا کہ نشان نہ رہ جائے اور اسلم بھی دیکھ لے کہ اس کے لاڈلے کے ساتھ یہاں کیا سلوک کیا جارہا ہے۔ دس سال کی عمر میں وہ ان کے ہاتھ ہی نہیں آتا تھا۔ تائیوں کو اس کی ہجو گوئی پر اکتفا کرنا پڑتا۔

تربیت کی کمی اور سختیوں نے اسے دیدہ دلیر اور منہ پھٹ بنادیا تھا۔ ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتا۔ صبح عموماً دوسرے بچوں کا ناشتا چھین کر اسکول روانہ ہوتا۔ راستے میں آنے والے ہر پھل دار درخت سے پھل توڑنا اپنا فرض سمجھتا۔ اکثر اسے اسکول پہنچنے میں تاخیر ہوجاتی اور اس وقت جلدی بھی پہنچ جاتا تھا جب باغ کا رکھوالا یا اس کا کتا اسے دیکھ لیتا تھا۔ البتہ ماسٹر صاحب کے سامنے وہ بھیگی بلی بن جاتا اس لیے نہیں کہ ان کے پاس بید کا مولا بخش تھا بلکہ وہ اس کے باپ کے دوست تھے اور بلے کی اگر کسی سے روح فنا ہوتی تھی تو وہ باپ تھا۔ حالانکہ اسلم نے اسے مارنا تو ایک طرف رہا کبھی ڈانٹا تک نہیں تھا۔ اس کے باوجود نہ جانے کیوں وہ باپ سے بے حد ڈرتا تھا۔ شرارتوں اور اپنی حرکتوں کے باوجود بلا پڑھائی میں خاصا تیز تھا۔ باپ کی دوستی کے علاوہ ماسٹر صاحب اس وجہ سے بھی اسے خاصا عزیز رکھتے تھے۔

بلا لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ میں ہمیشہ آگے رہتا تھا۔ اس کے برابر کے ہی نہیں' اس سے بڑی عمر کے لڑکے بھی اس سے ڈرتے۔ اوّل تو اس پر مار کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا اور اس کے باوجود بھی کوئی لڑکا اسے مار بیٹھتا تو اسے بعد میں خاصے عبرت ناک واقعات سے دوچار ہونا پڑتا۔ رحیم قسائی کے سانڈ نما بیٹے ماجے کا قصہ ان کی عبرت کے لیے کافی تھا۔ عمر میں بلے سے پانچ سال بڑا اور وزن میں تین گنا ماجا اس سے ایک کلاس کم تھا۔ اس طعنے پر ایک روز اس نے بلے کو زمین پر گرا کر مارا۔ بلے نے بھی حسبِ توفیق ہاتھ پیر چلائے مگر اس کے سانڈ جیسے جسم پر خاص اثر نہیں ہوا۔ بعد میں بلے نے سب کے سامنے قسم کھائی تھی کہ وہ ماجے کو سبق سکھائے بغیر نہیں رہے گا۔ اس کے ایک ہفتے بعد بلا اور ماجا لنگوٹیے یاروں کی طرح ساتھ گھوم پھر رہے تھے۔ دراصل بلے نے اس سے دوستی جتاتے ہوئے اس کے اسکول کا کام کرکے دینا شروع کردیا تھا اور اب وہ پکے دوست تھے۔ بلے کی فطرت جاننے والے اس وقت سمجھ گئے تھے کہ اب ماجے کی شامت قریب ہے۔ ایک دن بلے نے ماجے سے کہا "یار راکھے کے باغ میں زبردست جامنیں لگی ہیں۔ موقع ہے۔"

ماجے کے منہ میں پانی بھر آیا "مگر راکھا اور اس کا کتا۔"

"راکھے کی فکر نہ کر۔ وہ شیرو کو لے کر اسپتال گیا ہوا ہے۔"

"اسپتال' کیا ہوا شیرو کو۔" ماجا خوش ہوگیا۔ بلے نے فخریہ انداز میں اسے بتایا۔

"تیرے یار نے اس کا کام سمجھ تمام کردیا۔ کل میں نے زہریلے کانٹے باغ میں بکھیر دیے تھے۔ شیرو کو پیر میں چبھے تو وہ بیمار پڑ گیا۔"

ماجا فوراً تیار ہوگیا۔ انہوں نے بستے وہیں چھوڑے اور راکھے کے باغ پہنچ گئے۔ درخت پر چڑھنے کی ذمّے داری ماجے کے سر آئی کیونکہ بلے کے پیر میں چوٹ تھی۔ اس نے ماجے کو بندھی ہوئی پٹی بھی دکھائی تھی۔ ماجا ہانپتا کانپتا اوپر چڑھ گیا اور بلا نیچے چوکس کھڑا رہا۔ ماجے نے اوپر سے موٹی موٹی پکی جامنیں پھینکنا شروع کریں جو بلا ایک تھیلے میں جمع کرتا رہا۔ جب تھیلا بھر گیا تو اس نے اسے پشت پر لٹکایا۔ شلوار کے نیفے سے ایک عدد غلیل برآمد کی اور اس میں پتھر رکھ کر پیٹر کی پھننگ پر جھومتے شہد کے چھتے کا نشانہ لیا۔

دوسرے پتھر پر مکھیاں بھنّائی ہوئی چھتے سے نکلیں اور س کے ساتھ ہی بلا سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ باغ سے نکلتے نکلتے اس نے ماجے کی فلک شگاف چیخیں سن لی تھیں۔ واپسی پر پہلے اس نے اپنا بستہ اٹھایا اور ٹالی کے جھنڈ کا رخ کیا جس کے بیچ میں چشمہ بہتا تھا۔ یہ بلے کا پسندیدہ مقام تھا اور جب اسے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا یا وہ تنہائی چاہتا تو یہیں کا رخ کرتا تھا۔ یہ جگہ پرانی حویلی سے زیادہ دور نہیں تھی اس لیے عام لوگ وہاں آتے ہوئے گھبراتے تھے۔ چار کلو پکی جامنیں کھانے کے بعد اس نے ایک بھرپور ڈکار لی۔ چشمے پر جاکر اچھی طرح ہاتھ منہ دھویا اور سیدھا گھر کا رخ کیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق رات گئے رحیم قسائی اس کے گھر آن پہنچا۔ وہ آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اس کا موڈ سخت قاتلانہ ہورہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ جاپڑ تھا جس سے وہ جانوروں کی ہڈیاں توڑا کرتا تھا۔ اس نے چیخ کر اسلم کو باہر بلایا۔

"کہاں ہے وہ حرامی۔ آج میں اس کے ٹوٹے کردوں گا۔"

اسلم نے سخت لہجے میں کہا "تم کس کو حرامی کہہ رہے ہو اور رات گئے کیوں آئے ہو؟"

"تمہارے خبیث پتر کو، میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ تم جانتے ہو اس نے کیا کیا ہے؟"

"نہیں۔" اسلم بولا۔

جواب میں رحم قسائی نے ناقابل اشاعت دھمکیوں اور گالیوں کے درمیان وقفے میں جو بتایا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مکھیوں نے کاٹ کاٹ کر اس کے لختِ جگر کو چارمن کا کردیا تھا۔ اس کے بعد وہ بارہ فٹ کی بلندی سے نیچے گرا تو اس کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ راکھے کے کتے شیرو نے اس کی صحیح سالم ٹانگ سے ایک پاؤں کی بوٹی اتارلی اور رہی سہی کسر راکھے نے ماجے کے بازو پر لاٹھی مار کر پوری کردی۔ بعد میں وہ اپنی ٹوٹی لاٹھی کو روتا پایا گیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی لاٹھی نے ماجے کی ہڈی بھی توڑدی ہے۔ رحیم اسے ابھی ابھی اسپتال میں داخل کراکے آرہا تھا اور یہ سب بلے کی وجہ سے ہوا تھا۔

"اس میں بلے کا قصور کہاں سے نکل آیا۔" اس نے غور کرکے کہا۔

رحیم قسائی اچھل پڑا "یہ سب اس کا حرامی پن ہے۔ وہی ماجے کو ورغلا کر راکھے کے باغ میں لے گیا تھا۔ بعد میں اس نے مکھیوں کے چھتے پر پتھر مار کر مکھیوں کو مشتعل کیا تھا اور فوراً بھاگ گیا۔"

رحیم قسائی کی چیخ و پکار سن کر خاصے لوگ اکٹھا ہوگئے تھے۔ "وہ دونوں باغ میں گئے کیوں تھے؟" اسلم نے پوچھا۔

"جامن توڑنے۔"

"پھر بلا چھتے کو پتھر کیوں مارنے لگا؟"

"وہ خبیث میرے بیٹے سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔"

"کس بات کا بدلہ؟"

رحیم قسائی پھٹنے کے قریب تھا۔ مجبوراً اسے وہ قصہ سنانا پڑا جب ماجے نے بلے کو زمین پر پٹخ کر مارا تھا۔ اسلم نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں تمہارے پاس آیا تھا؟"

رحیم قسائی بغلیں جھانکنے لگا "مگر میرے بیٹے کو اتنی چوٹیں لگی ہیں۔ اس کی دو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔"

"یہ اس کا اپنا قصور تھا۔ بلے نے اسے یہ چوٹیں نہیں لگائیں اور اب تم نے میرے بیٹے کے خلاف کوئی گالی نکالی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔"

اسلم غصے سے بولا تو رحیم قسائی بھی ڈر گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسلم میاں جی کے اصطبل کا سائیس اعلیٰ تھا۔ اس کی شکایت پر میاں جی اس کی گوشمالی کردیتے۔

"معاف کرنا، غصے میں ذرا غلط بول گیا مگر بلے نے ٹھیک نہیں کیا۔"

"ٹھہرو، میں تمہارے سامنے بلے کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں۔" اسلم بولا۔

ذرا دیر بعد بلا دنیا جہان کی معصومیت چہرے پر سجائے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ راکھے کے باغ میں وہ ماجے کی ترغیب پر گیا۔ وہ تو اسے آخر تک منع کرتا رہا تھا۔ تبھی تو درخت پر نہیں چڑھا۔ پیر میں چوٹ تھی۔ کیسی چوٹ کہاں کی چوٹ۔ بلے نے سب کو اپنا پیر دکھایا جو بالکل ٹھیک تھا۔ شہد کے چھتے پر پتھر مارے، اسے تو یہ ہی نہیں معلوم کہ درخت پر کوئی شہد کا چھتا بھی ہے یا نہیں پھر وہ خود تو وہاں نہیں گیا تھا۔ اسے تو ماجا لے گیا تھا۔ وہ راکھے کے کتے کی آواز سن کر بھاگا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ مکھیوں نے ماجے پر حملہ کردیا تھا۔ یہ بھی غلط تھا کہ اس نے ماجے کو شیرو کو اسپتال لے جانے کی اطلاع دی تھی۔

"سن لیا تم نے۔" اسلم نے کہا۔

"یہ جھوٹ بکتا ہے۔" رحیم قسائی چلّایا۔

"اور تمہارا بیٹا فرشتہ ہے۔ وہ صرف سچ بولتا ہے۔ اس کی کہی ہوئی ایک بات بھی سچ ثابت نہیں ہوئی۔"

مجبوراً رحیم خون کے گھونٹ پی کر واپس چلا گیا۔ بعد میں اس نے پنچایت بلائی مگر وہاں بھی وہ بلے کے خلاف کچھ ثابت نہ کرسکا۔ اس کے بعد بھی اس قسم کے کچھ اور واقعات پیش آئے تو بچے تو بچے بڑے بھی بلے سے ڈرنے لگے۔ اب پورا گاؤں اس پر متفق تھا کہ علاقے میں بلے سے بڑا حرام زادہ اب تک پیدا نہیں ہوا۔ وہ اس سے نالاں تھے اور مصیبت یہ تھی کہ اس کے خلاف کچھ ثابت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ بلا اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ باپ کے سامنے خود کو شریف بنا کر پیش کرنے کے فن میں بھی ماہر تھا لہٰذا گھر والے اور گاؤں والے سوائے اسے کوسنے کے

کچھ نہیں کرسکتے تھے۔
پانچویں کے بعد اسلم نے اسے میاں پور کے نزدیک ہی ایک قصبے کے ہائی اسکول میں داخل کرا دیا۔ بلے نے میٹرک وہیں سے کیا تھا۔ اس دوران میں وہ خاصا قد کاٹھ بھی نکال چکا تھا۔ کھلی آب و ہوا اور ماں کی وارثت نے اسے رانجھا بنادیا تھا۔ گاؤں کی کنواریوں میں وہ اسی نام سے مشہور تھا۔ کسرتی جسم اور یونانی دیوتاؤں جیسے نقوش' اوپر سے اس کی لچھے دار باتیں جس کی طرف دیکھ لیتا' وہ کچے دھاگے سے بندھی چلی آتی تھی۔ باپ کی کمائی اس کے پاس آرہی تھی۔ لہٰذا روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اسلم کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ پڑھے لہٰذا اس معاملے میں بلے نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی وہ دل سے باپ کی عزت کرتا تھا۔ جس نے اپنی جوانی اس کے نام کردی تھی۔ دونوں تایاؤں اور تائیوں کی اسے کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ لوگ خود غرض اور کمینے ہیں جو اس کے باپ کی کمائی پر پل رہے تھے۔
پھر وہ قیامت کی رات آئی۔ اس رات خاصی دیر گزر جانے کے باوجود اسلم گھر نہیں آیا تو بلا فکر مند سا حویلی کی طرف چل دیا۔ وہاں پہلے ہی خاصے لوگ جمع تھے۔ بلے نے ایک نوکر سے پوچھا "چاچا' ابا کہاں ہے؟"
نوکر نے اسے دیکھ کر کہا "بلا تیرا باپ گھوڑے کے پیچھے پرانی حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ اب تک واپس نہیں آیا۔"
"پرانی حویلی۔" بلا چیخ اٹھا "تم لوگوں نے اسے روکا نہیں۔"
"وہ میاں جی نے حکم دیا تھا۔ ریشم ان کی پسندیدہ گھوڑی تھی۔" نوکر نے جھجک کر کہا۔
رات اصطبل میں بند کرنے سے پہلے اسلم گھوڑی کو میدان میں چکر لگوا رہا تھا۔ نہ جانے کس بات پر گھوڑی بدک اٹھی۔ اسلم بھی اس پر قابو نہ پاسکا اور وہ رسی تڑوا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ پرانی حویلی کی طرف تھا۔ اسلم نے اس کا پیچھا کیا مگر رات کے وقت اسے پرانی حویلی میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ واپس پلٹ آیا۔ میاں جی کو معلوم ہوا تو وہ اسلم پر برس پڑے۔
"تجھے معلوم ہے۔ وہ گھوڑی مجھے کتنی عزیز ہے۔ پورے ڈیڑھ لاکھ میں لی تھی۔"
"پر میرا کیا قصور میاں جی۔" اسلم ڈر کر بولا "وہ اچانک ہی رسی چھڑا کر بھاگ نکلی اور پھر پرانی حویلی کے کھنڈرات میں گھس گئی۔"
"تو کیوں نہیں گیا۔ یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے۔ گھوڑی بھی تو ہی واپس لائے گا اور یاد رکھ کہ اسے کوئی نقصان ہوا تو میں تیری کھال اتروالوں گا۔"
یہ کہہ کر میاں جی اندر چلے گئے۔ اسلم نے وہاں موجود سب ہی افراد سے ساتھ چلنے کو کہا مگر کوئی تیار نہیں ہوا۔ پرانی حویلی کا نام سن کر ہی لوگ کانوں کو ہاتھ لگالیتے تھے۔ مجبوراً میاں جی کے عتاب کے ڈر سے اسلم اکیلا ہی چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ وہ رات نو بجے گیا تھا اور اب رات کا ایک بج رہا تھا۔
"فکر نہ کر پتر۔ چاچا شبیر نے اسے تسلی دی۔ وہ حویلی میں مالی تھا۔ "ممکن ہے اسلم کو گھوڑی پرانی حویلی میں نہ ملی ہو اور وہ اسے آگے جنگل میں تلاش کرنے چلا گیا ہو۔"
بلے کو اس وقت میاں جی سمیت سب سے نفرت محسوس ہورہی تھی۔ میاں جی نے اس کے باپ کو ایک گھوڑی کے پیچھے خطرے میں دھکیل دیا تھا اور دوسرے بزدلوں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔ بلے کو معلوم تھا کہ اگر وہ انہیں ساتھ چلنے کو کہے گا تو وہ پھر انکار کردیں گے۔ ممکن تھا کہ اسلم واقعی گھوڑی کی تلاش میں دور نکل گیا ہو مگر بلا اندر سے عجیب بے چینی محسوس کررہا تھا۔ اس کی چھٹی حس بس اسے اکسا رہی تھی کہ وہ پرانی حویلی میں جاکر دیکھے مگر جانے سے پہلے اسے شبیر چاچا نے پکڑلیا۔
"احمق تو بھی وہی غلطی کررہا ہے جو تیرے باپ نے کی تھی۔"
"تو کیا کروں' بزدلوں کی طرح یہاں بیٹھا رہوں۔" بلے نے تلخ لہجے میں کہا۔ شبیر نے خفیف ہوکر اسے چھوڑ دیا۔
وہ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ انہیں خود پر شرم آرہی تھی مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بلے کا ساتھ دیتے۔ آخر شبیر سے نہ رہا گیا۔ "رک جا پتر۔" اس نے چلا کر کہا "میں بھی آرہا ہوں۔"
بلا رکا نہیں چلتا رہا۔ شبیر ہانپتے کانپتے خود اس تک پہنچ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ بلے پر ہیجان طاری ہے۔ وہ گھنی جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے گزر کر پرانی حویلی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ شبیر اپنے ساتھ لالٹین لے آیا تھا۔ اس کی بھڑکتی لو سایوں کو مزید خوف ناک بنا رہی تھی۔ احتیاطاً بلے نے ایک لکڑی اٹھالی تھی۔ باہر کی شکستہ دیوار سے گزر کر وہ صحن میں پہنچے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ حویلی کے جنوبی حصے میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ برسوں سے یہ ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ اس پر بارش کی وجہ سے کائی اور چھوٹے پودے اگ آئے تھے۔ شبیر کا دل خوف سے دگنی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ اگر بلا نہ ہوتا تو وہ کسی قیمت پر اس جگہ آنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ملبے سے کتراتے وہ شمالی حصے کی طرف بڑھے۔ جھاڑ جھنکاڑ اتنا زیادہ تھا کہ اس نے راستے ہی بند کردیے تھے۔ صرف وہی جگہیں بچی تھیں جہاں پختہ روشیں ہوا کرتی تھیں۔ بہ مشکل وہ شمالی حصے تک رسائی حاصل کرسکے۔ معاً شبیر کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ گھگیائے ہوئے انداز میں ایک سمت اشارہ کررہا تھا۔ بلے نے وہاں دیکھا تو اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔
دھندلی روشنی میں میاں جی کی گھوڑی عجیب بے ہنگم انداز میں زمین پر پڑی تھی۔ اس کا گلا یوں ادھڑا ہوا تھا جیسے کسی درندے نے اس کی گردن پر اپنے دانت آزمائے ہوں اور زمین پر خون کا

ایک قطرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔
"پتر' یہاں سے بھاگ چل۔" شبیر نے گھگیا کر بلے سے کہا۔
بلا خوف زدہ تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ اپنے باپ کی تلاش ادھوری چھوڑ کر چلا جاتا۔ اس نے شبیر سے لالٹین لے کر گھوڑی کا معائنہ کیا۔ اس کے جسم پر زخم کا مزید کوئی نشان نہیں تھا اور گردن کی کئی رگیں بالکل خشک تھیں جیسے ان سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا گیا ہو۔ ایسا ہی واقعہ پہلے بھی پیش آ چکا تھا جب میاں خاندان اس حویلی میں آباد تھا۔
"پُتر بھاگ چل۔" شبیر پھر گڑگڑایا۔
"چاچا' میں ابا کو ڈھونڈنے آیا ہوں۔ اسے تلاش کر کے ہی جاؤں گا۔"
بلا لالٹین لے کر شمالی حصے کی طرف بڑھا۔ جہاں مہمان خانے والے کمرے ابھی تک صحیح سالم تھے۔ ان کے دروازے اور کھڑکیاں بھی ابھی تک قائم تھے۔ اگر لوگوں کو آسیب کا خوف نہ ہوتا تو اب تک انہیں اکھاڑ کر لے جا چکے ہوتے۔ شبیر' بلے کے پیچھے تھا۔ انہوں نے پہلے کمرے کو کھولنا چاہا۔ اس کا دروازہ باہر سے جام تھا۔ اس میں کسی کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے اگلا کمرا وہی تھا جہاں دیواری تصویر تھی۔ اس کا دروازہ بھی جام تھا مگر جہازی سائز کی کھڑکی کھلی تھی۔ بلے نے لالٹین چوکھٹ پر رکھی اور اچک کر اندر جھانکا ہی تھا کہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
"ابا۔" اس نے چلّا کر کہا اور دیوانہ وار اندر کی طرف کود گیا۔ شبیر نے لرزتے ہوئے اندر جھانکا جہاں بلا ابلے ہوئے گوشت کے ایک ڈھیر سے لپٹا رو رہا تھا۔ شبیر کو اسلم کے کپڑے پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ بہ مشکل اندر کودا۔ اسلم کا حال ان چوروں سے مختلف نہیں تھا جن کی لاشیں اس نے دیکھیں تھیں پھر بزرگوں سے بھی سنتا آیا تھا۔ اس میں شک کی قطعی گنجائش نہیں تھی کہ اسلم بھی اس بلا کا شکار ہوا تھا جسے ہنو کہتے تھے۔
"پُتر صبر کر۔" شبیر نے خوف سے لرزتا ہاتھ بلے کے سر پر رکھا۔
"خدا کو یہی منظور تھا۔"
بلا سر اٹھا کر چلّایا "خدا کو بیچ میں مت لاؤ۔ میرے باپ کو اس بلا نے نہیں میاں جی نے قتل کیا ہے۔"
شبیر نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اسلم کے قتل میں میاں جی ہی نہیں' وہ سب شریک تھے۔ جنہوں نے اسے اکیلا جانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ دھاڑیں مارتے بلے کو وہاں سے لے جانے کی بات کرتا۔ یہ آخری موقع تھا اور وہ واحد فرد تھا جس نے بلے کو باپ کی موت پر روتے دیکھا تھا۔
اگلے روز جب اسلم کا جنازہ اٹھا تو بلا بالکل ساکت اور مُہر بہ لب تھا۔ اس نے صبح میاں جی کی طرف سے آنے والے ہزار روپے' لانے والے کے منہ پر دے مارے تھے۔
"میاں جی سے کہنا یہ اپنے کفن دفن کے لیے محفوظ رکھیں۔" اس نے اشتعال کے عالم میں چلاتے ہوئے کہا۔ اس کے دونوں تائے بہ مشکل اسے کھینچ کر اندر لے گئے تھے پھر انہوں نے میاں جی کے منشی کی خوشامد کی کہ بچہ ہے' باپ کی موت پر حواس کھو بیٹھا ہے۔ اسے معاف کر دیں یا بالفاظِ دیگر اس کے جملے میاں جی تک نہ پہنچائیں مگر منشی اللہ بخش معاف کرنے کے معاملے میں اونٹ سے کم نہیں تھے۔ انہوں نے مسکرا کر بڑے تایا رحمت کی معافی قبول کی اور واپس جاتے ہی میاں جی کو ایک کی چار بنا کر لگائیں۔
"میاں جی اس کے تو تیور ہی جدا تھے' میری تو خیر ہے مگر آپ کی توہین...." وہ گال پیٹنے لگا۔ میاں جی کے حامی موالی بھی یہ سن کر طیش میں آ گئے تھے مگر میاں جی نے انہیں روک دیا۔
"بعد میں دیکھی جائے گی' ابھی وہ میت کا گھر ہے۔"
ان لوگوں کے لیے اشارہ کافی تھا۔ ایک نے مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا "آپ فکر ہی نہ کریں میاں جی' منڈا آئندہ بدزبانی کے قابل ہی نہیں رہے گا۔"
میاں جی سخت دکھی تھے۔ اسلم کے لیے نہیں بلکہ اپنی گھوڑی ریشم کے لیے۔ جسے انہوں نے منہ مانگے داموں خریدا تھا۔ پورے علاقے میں ایسی گھوڑی نہیں تھی۔ اب ان کی تمام تر امیدوں کا مرکز ریشم کا بچہ تھا۔ جو چار مہینے کا تھا اور اس کی اٹھان بتا رہی تھی کہ وہ اپنی ماں سے شان دار جانور نکلے گا۔ اس کا باپ ایک عربی النسل گھوڑا تھا۔ جسے بوڑھا ہونے کے بعد صرف نسل کشی کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔
اسلم کے سوئم کے بعد میاں جی نے بلے اور اس کے دونوں تایوں کو طلب کیا۔ بلا جانے کے لیے تیار نہیں تھا مگر رحمت اور احمد اسے سمجھا بجھا کر لے گئے۔ میاں جی نے دربار سجا رکھا تھا اور ان کے تمام حواری جمع تھے۔ پہلے انہوں نے رسمی انداز میں تعزیت کی پھر نوٹوں کی ایک گڈی ان کی طرف بڑھا دی۔
"یہ میری طرف سے ہے۔ آخر اسلم ہمارا وفادار ملازم تھا۔"
رقم کسی طرح دس ہزار سے کم نہیں تھی۔ رحمت اور احمد کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کے برعکس بلے کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
"میاں جی' آپ مجھے میرے باپ کا خون بہا دے رہے ہیں۔" اس نے میاں جی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
ایک لمحے کو سب کو سانپ سونگھ گیا اور دوسرے لمحے حامی موالی یوں پھنکارنے لگے جیسے پٹاری میں بند زہریلے سانپ پھنکارتے ہیں۔ میاں جی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔ خود میاں جی بھی طیش میں تھے مگر وہ ٹھنڈا کر کے کھانے کے عادی تھے۔
"یہ میری طرف سے اسلم کی وفاداری کا انعام ہے۔"
"مجھے نہیں چاہیے یہ رقم۔ اس سے مجھے اپنے باپ کے خون

کی بو آتی ہے۔" بلا حقارت سے بولا۔ زندگی میں پہلی بار اسے پیسے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ میاں خاندان نے اس سے باپ چھین لیا تھا اور بدلے میں اسے کاغذ کے ٹکڑے پکڑا رہے تھے۔ دنیا بھر کی دولت مل کر بھی اسے اس کا باپ واپس نہیں دلا سکتی تھی۔ میاں جی کا طیش بڑھنے لگا تھا اور بڑے تایا کو نوٹوں کی گڈی خطرے میں لگنے لگی تھی۔ اس نے جھپٹ کر میاں جی سے گڈی وصولی۔

"میاں جی اسے معاف کردیں۔ ناسمجھ ہے اور ذرا جذباتی ہے۔ باپ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ محبت تو ہمیں بھی تھی، آخر کو ہمارا بھائی تھا۔" بڑے تایا نے گڈی کلیجے سے لگا کر آبدیدہ ہو کر کہا۔

جیسے ہی بڑے تایا نے نوٹ وصول کیے ... میاں جی کے تیور بدل گئے۔ "اسے سمجھاؤ رحمت۔ زیادہ جذباتی خون جسم میں نہیں رہتا، ابل کر باہر آجاتا ہے۔" اس کے لہجے میں دھمکی واضح تھی۔

"آپ فکر ہی نہ کریں میاں جی۔" رحمت نے خوشامدی لہجے میں کہا اور بلے کو کھینچ کر باہر لے آیا۔ جو سخت مشتعل تھا۔

"او جھلے، کیوں ہمیں مشکل میں ڈالتا ہے۔ تیرا باپ تو گزر گیا۔ اگر اس میں میاں جی کی غلطی تھی تو بھی انہوں نے مہربانی کر کے ہمیں خون بہا کے دس ہزار دے دیے۔"

"یہ خون بہا نہیں ہے تایا۔" بلے نے اس کی بات کاٹ کر سرد لہجے میں کہا "یہ میرے باپ کا مردہ ہے جسے تم دونوں بھائی کھانے جارہے ہو۔"

"بکواس بند کر حرامی۔" احمد نے مشتعل ہو کر اسے تھپڑ مارا "تو اپنے ساتھ ہمیں بھی مروائے گا۔ یاد رکھ اگر ہمارے ساتھ رہنا ہے تو بندے کا بچہ بن کر رہ ورنہ اپنا بوریا بستر اٹھا اور کہیں بھی دفع ہو جا۔"

"تم مجھے اس گھر سے نہیں نکال سکتے۔ اس میں میرے باپ کا حصہ بھی تھا اور اب میرا حصہ بھی ہے۔" بلے نے چیخ کر کہا۔

یہ بات دونوں بھائی بھی سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے بات نہیں بڑھائی البتہ اپنی بیویوں کے ذریعے اس کا جینا حرام کردیا۔ تائیاں تو پہلے ہی اس سے خار کھاتی تھیں۔ شوہروں کی طرف سے شے ملی تو شیر ہو گئیں۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے بلے کو ستانا شروع کردیا۔ یہ سوچے بغیر کہ بلا انہیں ستانے پر اتر آیا تو کیا ہوگا۔ پہلے انہوں نے بلے کی تمام کتابیں غائب کردیں اور پوچھنے پہ اطمینان سے جواب دیا۔

"ردی والے کو دے دیں۔"

اگلے روز ہی باورچی خانے سے توا، چمٹا اور کنگ سائز کفگیر غائب تھی۔ بلے نے بھی سکون سے اعتراف کیا "میں نے ٹین ڈبے والے کو دے دیں۔"

"وہ حرامی، تو اب کھانا کیسے پکاؤں گی۔" بڑی تائی نے چھاتی پیٹ کر کہا "میرے میکے کا تھا۔"

"کتابیں میری تھیں، جو تم نے مجھ سے پوچھے بغیر دے دیں۔"

"نہیں دیں، میرے پاس رکھی ہیں۔" تائی نے بلبلا کر کہا۔

"تب تمہاری چیزیں بھی واپس مل جائیں گی۔"

کچھ عرصے بعد اس کا رویہ ایسا ہو گیا جیسے وہ سب بھول گیا ہو لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ باپ کی موت کو بھولا نہیں تھا اور اس کا ذہن مستقل طور پر میاں خاندان سے بدلہ لینے کے طریقوں پر غور کرتا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اس پُراسرار بلا کے بارے میں بھی سوچتا رہا۔ جس نے دوسرے بہت سارے افراد کے ساتھ اس کے باپ کی جان بھی لے لی تھی۔ اسلم کا پردادا ان نوکروں میں شامل تھا جو کتے لے کر ڈ، ولیم اور ولبر کے ساتھ شکار پر گئے تھے اور انہوں نے لڑکی دیکھنے کے بعد انہیں واپس کردیا تھا مگر اسلم کا پردادا چپکے سے واپس آگیا تھا اور اس نے گھنی جھاڑیوں میں وہ غار دیکھ لیا تھا جہاں ان تینوں نے لڑکی کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ وہ اس واقعے کا چشم دید گواہ تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سادھو کو اس کی بیٹی کے قتل اور اس کے جائے دفن سے آگاہ کیا تھا۔ سادھو اپنی بیٹی کی لاش دیکھ کر غم زدہ ہو گیا تھا مگر اسے زیادہ فکر ایک شبیہ کی تھی۔ سادھو نے اسلم کے پردادا کو بتایا تھا کہ اس نے شبیہ میں ایک خوف ناک قوت کو قید کر رکھا تھا اور اگر وہ آزاد ہو جاتی تو بہت زیادہ تباہی پھیل جاتی۔ سب سے پہلے وہ اپنے آزاد کرنے والوں کا خاتمہ کرتی مگر وہ ایک مخصوص احاطے اور چاند کی مخصوص تاریخوں میں عمل کرتی تھی۔ سادھو میں اتنی قوت تھی کہ وہ اس طاقت کو قید کر سکتا تھا مگر اس نے انتقاماً ایسا نہیں کیا۔ یہ راز اسلم کے پردادا سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہوا اسلم تک آیا تھا اور ایک روز اسلم نے بلے کو بتادیا تھا۔ ظاہر ہے ان کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی مگر انہوں نے اس راز کو عام نہیں کیا ورنہ کینہ پرور میاں خاندان ان کے پیچھے پڑ جاتا۔ بلا کسی کو جانی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی اس میں ہمت بھی نہیں تھی مگر ساتھ ہی وہ میاں جی کو ایسا سبق سکھانا چاہتا تھا جو وہ مدتوں یاد رکھیں۔ معاً اسے ایک خیال آیا۔ میاں جی گھوڑوں کے بے حد شوقین تھے۔ ان کے پاس بہترین نسل کے درجن بھر گھوڑے تھے جن کی مالیت لاکھوں میں تھی۔ وہ میاں جی کو بے حد عزیز بھی تھے۔ اگر انہیں نقصان پہنچ جاتا تو میاں جی صدمے سے بے حال ہو جاتے مگر مسئلہ اصطبل تک رسائی کا تھا۔ حویلی کے گرد چکر لگاتے ہوئے ایک روز یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ حویلی کے عقب میں برگد کا دیو قامت درخت تھا جس کی شاخیں حویلی کی دیواروں تک جارہی تھیں۔ ان کی مدد سے وہ حویلی میں جا سکتا تھا۔

بلا صرف میاں جی کو نقصان ہی نہیں پہنچانا چاہتا تھا بلکہ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ میاں جی کو علم ہو جائے کہ یہ نقصان اس نے کیا تھا۔ اس کے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے یہ بہت ضروری تھا مگر خود کو بچانا بھی ضروری تھا للٰذا بعد میں اس کا فرار .... ناگزیر تھا۔

میاں جی خود سمجھ جاتے کہ یہ حرکت اس کی تھی۔ پہلے بلے نے فرار کی تمام تیاریاں مکمل کیں۔ وہ لاہور جانا چاہتا تھا اور اس کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ اس نے بڑے تایا کے پاس موجود رقم اڑا لی جو اس نے میاں جی سے وصول کی تھی اور... اپنی دانست میں نہایت محفوظ جگہ چھپائی تھی۔ رقم کے غائب ہونے پر بڑا تایا چراغ پا ہو کے چھوٹے تایا پر چڑھ دوڑا۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ رقم اس نے چرائی تھی۔ وہ پہلے ہی اپنے حصے کی رقم اس سے وصول کر چکا تھا۔ دونوں بھائیوں میں خوب ہی جھگڑا ہوا۔ بات زبانی کلامی سے بڑھ کر ہاتھا پائی تک جا پہنچی۔ دونوں کی نصف بہتروں نے جو درحقیقت نصف بدتر تھیں، اس جھگڑے میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا اور مؤثر ترین زنانہ ہتھیار یعنی زبان سے گالیوں اور کوسنوں کی وہ بوچھاڑ کی کہ تفریح لیتے بلا کا مزہ دگنا ہو گیا۔ بڑا تایا سر پڑوا کر اور چھوٹا تایا ٹخنا اتروا کر خاموش بیٹھ گئے۔ بڑے تایا کا سر اپنی ہی بیوی کے پھینکے پیتل کے جگ کی زد میں آیا تھا اور چھوٹے تایا کا پیر بڑے کو لگنے کے بجائے چارپائی کے پائے سے جا لگا تھا کیونکہ لکڑی زیادہ مضبوط تھی لہٰذا نقصان ٹخنے کا ہوا۔ تمام گالیاں اور کوسنے ختم کرنے کے بعد دونوں تایاں اپنے اپنے مزاجی خدا کی مرمت اور دیکھ بھال میں لگ گئیں۔

○☆○

بلا احتیاط سے نیچے اُترا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں حویلی کے احاطے میں کتے نہ کھلے ہوں۔ اس نے برگد کی شاخ سے رسی باندھی تھی اور بارہ فٹ بلند دیوار سے اتر گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اصطبل کس طرف تھا۔ اس میں خطرہ تھا کیونکہ اصطبل تک رسائی کے لیے اس کا شمالی باغ سے گزرنا ضروری تھا۔ اصطبل حویلی کے عقب میں تھا۔ وہ محتاط انداز میں جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں روشنی سے بچتا اصطبل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ موسم نہایت سرد تھا اور کہر پڑ رہی تھی۔ یہ کہر بھی اس کی مدد کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اصطبل کے رکھوالے اس شدت کی سردی میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوں گے۔

چند لمحے بعد وہ اصطبل میں داخل ہوا تو اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہاں سوائے گھوڑوں کے کوئی نہیں تھا۔ جانوروں کی چھٹی حس خطرے کو جلد بھانپ لیتی ہے۔ گھوڑے بھی بے چینی سے ہنہنانے اور لاتیں چلانے لگے۔ معاً بلے کی نگاہ زمین پر رکھی انگیٹھیوں پر پڑی جن میں کوئلے دہک رہے تھے۔ وہ مسکرانے لگا۔ آتش زنی کا سامان تو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اس نے جیب سے پیٹرول کی بوتل نکالی اور اصطبل کے در و دیوار پر چھڑکنے لگا۔ اصطبل خاصا وسیع تھا اس لیے بوتل جلد خالی ہو گئی۔ اس نے بوتل وہیں پھینکی اور جلدی جلدی انگیٹھیوں سے انگارے نکال کر چاروں طرف پھینکنے لگا۔ اصطبل کا فرش بھی لکڑی کا تھا۔ پہلے کونے میں بھوسے نے آگ پکڑی پھر دیواریں جلنے لگیں۔ تپش محسوس کرتے ہی گھوڑوں کی وحشت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ رسی تڑوا کر بھاگ نکلنے کی فکر میں تھے۔ سب سے آخر میں بلے نے اصطبل کے دروازے کو آگ لگائی تاکہ کوئی اندر جا کر گھوڑوں کو نہ نکال سکے۔ باپ کے انتقام میں وہ اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے بے زبان جانوروں پر بھی رحم نہیں آیا۔

اصطبل نے چاروں طرف سے آگ پکڑ لی تھی۔ اب اس کا وہاں مزید ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ ہر ممکن تیزی سے دیوار کی طرف بھاگا۔ عین اسی لمحے نہ جانے کہاں سے ایک کتا نمودار ہو کر اس پر جھپٹا۔ بلے نے بروقت جھکائی دے کر اس کی ٹانگ دبوچنے کی کوشش ناکام بنائی اور پوری قوت سے اس کے سینے پر لات ماری۔ کتا ایک طویل ٹیاؤں کے ساتھ دور جا گرا۔ بلا پھر بھاگا حویلی کے مختلف حصوں سے شور بلند ہونے لگا۔ دیوار پر چڑھنے سے پہلے کتے نے اسے پھر آلیا۔ اس دفعہ بلے کو اس وقت پتا چلا جب کتے کے تیز دانت اس کی پنڈلی میں اتر گئے۔ اس نے بے اختیار پاؤں جھٹکا اور ٹانگ آزاد ہو گئی مگر کتا کسی صورت اسے فرار کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ بھونک بھونک کر سب کو وہاں اکٹھا کر لے۔ جب بلے نے محسوس کیا کہ کتا اسے جانے نہیں دے رہا تو مجبوراً اس نے شلوار میں دبی چھری نکالی اور کتے کی گردن میں گھونپ دی۔ اس نے ایک اور ٹیاؤں بلند کی اور چیختا ہوا بھاگ نکلا۔

پیر کی تکلیف کے باوجود وہ پھرتی سے دیوار پر چڑھا۔ اس نے رسی کھینچی۔ ایک نظر اصطبل پر ڈالی جو اب دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ پہریداروں کا شور قریب آ رہا تھا اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ اس درخت سے اترنے کے بجائے اس نے رسی دوسری طرف پھینکی اور پھسلتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ نیچے اترتے ہی اس نے پہلے اپنی زخمی پنڈلی پر رومال باندھا اور ہر ممکن رفتار سے میاں پور کے مشرق کی طرف بھاگا۔ وہاں سے چار میل کے فاصلے پر ریلوے لائن گزرتی تھی۔ جہاں سے رات تین بجے کے بعد مال گاڑی گزرتی تھی۔ بلا اسی گاڑی میں فرار ہونا چاہتا تھا مگر پاؤں کے زخم نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ اب وہ پوری رفتار سے نہیں دوڑ سکتا تھا اور گاڑی گزرنے میں صرف آدھا گھنٹا رہ گیا تھا۔ اس نے پہلے چشمے والے جھنڈ کا رخ کیا۔ جہاں اس کا سامان موجود تھا۔ دوڑنے کے دوران میں اسے خون بہتا محسوس ہو رہا تھا مگر رکنے کا موقع نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد میاں جی کے کتے اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے، ان سے بھی بچنا تھا۔

جھنڈ میں پہنچ کر اس نے اپنا سامان اٹھایا پھر کچھ سوچ کر وہیں لگے نیم کے پیڑ سے پتے توڑ کر اور مل کر زخم پر رکھنے لگا۔ اس کے بعد کس کر رومال باندھا اور تیزی سے چل پڑا۔ سامان اور زخمی پیر کے ساتھ چار میل کا ناہموار فاصلہ تاریکی میں طے کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ ایک مناسب رفتار برقرار رکھے تاکہ

جلدی نہ تھکنے پائے۔ وقت گزرنے کے ساتھ پیر میں اٹھتی ٹیسیں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ بہ مشکل اپنی کراہوں کو روک رہا تھا۔ بھاگتے ہوئے وہ دو تین بار ٹھوکر کھا کر گرا۔ ایک دفعہ ماتھے پر سخت چوٹ آگئی۔ وہ جیسے تیسے سفر کرتا رہا۔ راستے میں جھاڑیوں نے اس کے کپڑے پھاڑ دیے اور کھلے حصوں سے سرد ترین ہوا کانٹوں کی طرح چبھنے لگی۔ خدا خدا کر کے اسے تاروں کی چھاؤں میں ریلوے لائن کے آثار نظر آئے مگر دور دور تک ٹرین کا پتا نہیں تھا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا کہ کیا گاڑی نکل چکی تھی۔ یہ اس کے فرار کا واحد راستہ تھا۔ سڑک کے راستے وہ میاں پور نہیں نکل سکتا تھا۔ میاں جی کے کارندے اسے چوہے کی طرح دبوچ لیتے۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو کر اسی خرگوش کی طرح کانپنے لگا جس کے پیچھے شکاری کتے لگے ہوں۔ نہ جانے اس طرح کتنی دیر گزر گئی پھر دو آوازیں بیک وقت اس کے کانوں میں پہنچیں۔ ایک تو کتوں کے بھونکنے کی آوازیں جو مغرب کی سمت سے آ رہی تھیں یعنی میاں جی کے کتے اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے اور دوسرے ریل کی مخصوص آسیبی سیٹی کی آواز۔

وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے پیچھے دیکھا جہاں دور کہیں روشنیاں لہرا رہی تھیں۔ کتوں کے ساتھ آدمی بھی تھے پھر اس نے ریلوے لائن کی طرف دیکھا۔ دور سے انجن کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ ٹرین کم از کم پون میل دور تھی اور نہ معلوم مال گاڑی تھی یا مسافر گاڑی۔ اگر یہ مسافر گاڑی نکلتی تو بلے کو خود پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے تھی، وہ کسی صورت اس پر سوار نہیں ہو سکتا تھا اور پھر میاں جی کے کتے جلد یا بدیر اس کی بوٹیاں اڑا دیتے۔ اس نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی اور ٹرین کی طرف دوڑا۔ دعا ظاہر ہے یہی تھی کہ یہ مال گاڑی ہو۔ مسافر ٹرین نہ ہو۔ اب کتوں کا شور بڑھ گیا تھا۔ اس کا اور گاڑی کا فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ تاریکی میں اندازہ لگانا مشکل تھا مگر اچانک بلے نے محسوس کیا کہ یہ مال گاڑی ہی ہے۔ پچھلے کسی ڈبے سے روشنی نہیں جھلک رہی تھی۔ اس کے جسم میں جیسے بجلیاں بھر گئیں۔ کتے اب جنگل عبور کر کے لائن کے قریب آ گئے تھے۔

بلا بھی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کا خون خشک ہونے لگا کہ مال گاڑی کے تمام ڈبے بند تھے اور کوئی کھلا ڈبا نہیں تھا۔ وہ اس امید پر پیچھے کی طرف دوڑا۔ ایک ایک ڈبا سامنے سے گزر رہا تھا اور سب کے دروازے بند تھے۔ اب آخری چند ڈبے باقی رہ گئے تھے۔ بلا کا تھکن اور مایوسی سے برا حال تھا۔ معاً اسے محسوس ہوا کہ ایک ڈبے کا دروازہ کھلا ہے اور جیسے ہی یہ ڈبا نزدیک آیا تو اس کے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ایک دروازہ کھلا تھا۔ بلا دوڑا اور اس کے ڈنڈے کو پکڑ کر لٹک گیا۔ پہلے اس نے سامان کا تھیلا اندر پھینکا اور پھر خود بھی چڑھ گیا۔ اس ڈبے میں بھینسیں تھیں اور اسی وجہ سے ڈبے کو کھلا رکھا گیا تھا۔ دروازے کے قریب فراٹے کی سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ بلا رینگ کر آگے چلا گیا۔ یہاں بھوسے کا ڈھیر تھا اور ایک بڑی سی ناند میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس نے بلا تکلف پانی پینا شروع کر دیا۔ بغیر یہ سوچے کہ اس پانی کو بھینسیں بھی نوشِ جان کرتی رہی ہوں گی۔

اچانک اسے باہر روشنی کا احساس ہوا پھر کسی کی آواز آئی۔ ”اوے گامے! اندر جا کر دیکھ، وہ حرامی یہاں نہ چھپا ہو۔“

بلا لرز کر رہ گیا۔ اس کی جان کے دشمن یہاں تک آ پہنچے تھے۔ اس نے تیزی سے چھپنے کے لیے جگہ تلاش کی مگر وہاں سوائے جانوروں کے کچھ نہیں تھا پھر اس کی نظر بھوسے کے ڈھیر پر پڑی۔ یہ زیادہ نہیں تھا لیکن اگر وہ لیٹ کر بھوسا خود پر بکھیر لیتا تو کسی حد تک اس کی پردہ پوشی ہو جاتی۔ اس نے پھرتی سے اپنے اس خیال پر عمل کیا۔ گوبر سے لتھڑے فرش پر لیٹ کر اس نے بھوسا خود پر پھیلانا شروع کر دیا۔ تھیلا اس نے پہلے ہی بھوسے میں چھپا دیا تھا۔ اس لمحے گاما اچک کر ڈبے میں داخل ہوا۔ اسے باہر سے کسی نے لالٹین پکڑائی۔

”اچھی طرح دیکھنا۔“

”تو فکر نہ کر۔“ گامے نے جل کہا ”مجھے اپنا کام پتا ہے۔“

اس نے لالٹین کی روشنی میں پہلے ڈبے کا معائنہ کیا پھر بھینسوں کی طرف بڑھا۔ اس نے لالٹین گھما پھرا کر دیکھی۔ اس وقت وہ عین بلے کے اوپر کھڑا تھا۔ جو چھینک نہ آنے کی دعا کر رہا تھا۔ بھوسے کے تنکے اس کی ناک میں سرسرا رہے تھے اور اس نے سانس روک لی تھی۔

”گامی حرامی، جلدی کر کیا گڈی کے ساتھ ہی جائے گا۔“ نیچے سے چیخ کر کہا گیا۔ گامے نے جلدی جلدی اِدھر اُدھر دیکھا اور ڈبے سے اتر گیا۔ جب خاصی دیر تک کوئی آواز نہیں آئی تو بلا خود پر سے بھوسا جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلی رات کو وہ لاہور اسٹیشن پر اتر رہا تھا۔

○☆○

مونا نے نزاکت سے ڈبل روٹی کا پیس کاٹا اور اسے چباتے ہوئے اخبار کا فلمی صفحہ کھولا۔ پہلی خبر پر نظر پڑتے ہی اس کا چلتا منہ ساکت ہو گیا اور اس کے منہ کے حسین زاویے بگڑنے لگے۔ بکرے کی طرح پان کی جگالی کرتی عرشی بیگم بہ غور اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ پچکار کر بولی ”اے میری چندا، صبح صبح کون سی خبر پڑھ لی جو ایسے منہ بنا رہی ہے۔“

مونا نے ناگواری سے عرشی بیگم کے کپڑوں پر پان کے دھبّے دیکھے۔ ”اماں تمہیں ہزار بار کہا ہے۔ یہ گند منہ میں ڈال کر بات نہ کیا کرو، کم از کم مجھ سے مت کیا کرو۔“

”اے میری چندا، میں نے بھی ہزار بار کہا ہے تو میرے پان کو نہ ٹوکا کر۔ اب یہی تو واحد تفریح رہ گئی ہے۔ خیر تو خبر کی بات کر۔“

مونا کو معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر اماں کا کچھ اچھا حال نہیں ہوگا

مگر خبر تو سنانی ہی تھی۔ اس نے اخبار بیزاری سے ایک طرف ڈالا
"میڈم، نئی فلم کا آغاز کررہی ہیں۔ مجھے ہیروئن لے کر۔"
حسبِ توقع عرشی بیگم خبر سنتے ہی سکتے میں آگئی۔ خبر اس پر بجلی بن کر گری تھی۔ ابھی ایک ہفتے پہلے ہی تو مونا نے بیک وقت میڈم کی دو فلمیں بھگتائی تھیں اور ان فلموں کی وجہ سے عرشی بیگم نے فلم سازوں کی کتنی اچھی پیش کش ٹھکرائی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی۔ ایک روز اس نے مونا کی سیکریٹری کی مدد سے حساب لگایا کہ ان پیش کشوں سے انکار کرکے انہیں کتنا نقصان ہوا ہے تو اس پر اسے مختصر دورانیے کا دل کا دورہ پڑگیا۔ دو گھنٹے بعد وہ جانبر ہوکر اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے مونا کو فلمی دنیا میں لانے کے لالچ میں میڈم سے چھ فلموں کا معاہدہ کرلیا تھا۔ اس وقت یہ معاہدہ اسے بہت اچھا لگا مگر بعد میں گلے کا پھندا بن گیا تھا جس سے گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی۔

مونا کا اصل نام زیب النسا تھا اور وہ طوائف زادی تھی۔ عرشی بیگم اپنی جوانی میں زوروں کی طوائف رہی تھی۔ دور اور نزدیک کا ہر صاحب دل جو صاحبِ مال بھی ہوتا، عرشی بیگم کے در پر رسائی کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا تھا۔ اکثر تو صرف عرشی بیگم کے رقص بلاخیز اور نغمہ شرر بار سے لطف اندوز ہونے آتے تھے مگر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ جنہیں رقص اور گانے سے زیادہ رقص کرنے اور گانے والی میں دلچسپی تھی۔ عرشی بیگم کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ اس کی راتوں کی ہفتوں پہلے بکنگ کرانی پڑتی تھی۔

بدقسمتی سے عرشی بیگم کو ماں نہایت لالچی قسم کی ملی تھی۔ یوں تو طوائف ہوتی ہی پیسے کی ہے مگر لکشمی بائی کا دین و مذہب ہی پیسہ تھا۔ ویسے وہ ذات کی ہندو تھی مگر اس کا کوٹھا ہر شخص کے لیے بلا امتیاز مذہب وملت کھلا تھا۔ بس جیب میں پیسہ ہونا شرط تھی اور عین اس وقت جب لکشمی بائی کا بزنس عروج پر تھا، تقسیم ہندوستان کی تحریک چل پڑی۔ پورے پنجاب میں آگ لگی ہوئی تھی۔ امرتسر میں اگر مسلمان مارے کاٹے جارہے تھے تو لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے بھائی بندوں کی بوئی فصل کاٹنا پڑرہی تھی۔ شاہی محلے کی تمام ہی ہندو اور سکھ طوائفیں بھاگ چکی تھیں مگر لکشمی بائی کا پروگرام کچھ اور ہی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کوٹھا جمانا کھیل نہیں ہے۔ جمتے جمتے، جمتا ہے وہ اس سے بھی بے خبر نہیں تھی کہ تقسیم کے ہنگاموں میں ہزاروں عورتیں اغوا کرلی گئی تھیں۔ انہیں گھوم پھر کر اسی بازار ہی میں آنا تھا۔ بھارت میں مقابلہ سخت تھا پھر ہندو بنیا دادودہش کے معاملے میں بھی سخت کنجوس واقع ہوا تھا۔ اس کے برعکس نئی مملکت میں میدان کھلا تھا۔ بہت سارے لوگ راتوں رات امیر ہوگئے تھے۔ کئی جاگیردار فصلوں کی آمدنی بنیوں کی جیب میں جانے کے بجائے اپنے پاس آتے دیکھ کر پاگل ہوگئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنی رقم کہاں خرچ کریں۔ انہیں اپنی دولت کی نمائش بھی مقصود تھی اور اس کے لیے شاہی محلے سے بہتر جگہ کون سی ہوسکتی تھی۔

لہٰذا لکشمی بائی نے خوب غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا، ملک بدلنے سے بہتر ہے مذہب بدل لیا جائے لہٰذا عین چودہ اگست والے دن اس نے بادشاہی مسجد کے امام صاحب کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرلیا۔ اسے نام تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس کے کوٹھے پر آنے والے اسی پُرخوش تھے کہ اب وہ مسلمان تھی اور اس کے کوٹھے پر ہائے رام کے بجائے ہائے اللہ کی صدائیں آتی تھیں۔ لکشمی کو خاص فرق نہیں پڑا۔ اسے رام اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ خوش تھی کہ اس کا کوٹھا اور کاروبار بچ گیا۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ بچھی جس کا نام اس نے عرشی بیگم رکھ دیا تھا اور لکشمن جسے اس نے نیربانو بنادیا تھا۔ نیر واجبی شکل وصورت کی تھی البتہ جسم کے پیچ وخم اور زاویے قیامت خیز پائے تھے۔ آواز بھی معمولی سی تھی لہٰذا منڈی میں اس کے طلب گاروں کا حلقہ محدود تھا۔ اس کے برعکس عرشی نے ہر چیز ہی قیامت کی پائی تھی۔ رقص کے معاملے میں کسی قدر اناڑی تھی مگر ادائیں دکھانے میں طاق تھی۔ گلا بھی اچھا پایا تھا اور کسی قدر سُر سے بھی واقف تھی مگر اس کے اصل جوہر خواب گاہ میں کھلتے تھے۔ جو ایک بار وہاں کی سیر کر آتا ہمیشہ کے لیے عرشی کا اسیر ہوجاتا۔ پہلے سے زیادہ مچلنے لگتا۔ عرشی بیگم کے دام آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے لیکن اس کے طلب گاروں میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

لکشمی بائی کی انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہی تھی۔ یہ سوچے بغیر کہ اس کی بیٹی کا کیا حشر ہوگا۔ ہوس پرستوں کی خواہشات پوری کرتے کرتے عرشی کی توانائیاں جواب دینے لگی تھیں۔ وہ لکشمی بائی کا واحد سرمایہ تھی۔ جسے اس نے بے دردی سے استعمال کیا۔ بہت زیادہ استعمال سے تو فولادی مشین بھی گھس جاتی ہے وہ تو پھر... انسان تھی۔ آئے دن اس کی طبیعت خراب رہنے لگی پھر نہ جانے کیسے یہ افواہ اڑگئی کہ عرشی کو پوشیدہ بیماری ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے طلب گاروں کی تعداد تیزی سے گھٹنے لگی۔ لکشمی بائی کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے عرشی بیگم کا علاج کرایا مگر اس کی ساکھ نہ بحال کرسکی۔ نیر سے کوئی امید نہیں تھی اور اگر وہ کوئی نئی لڑکی بھی میدان میں اتارتی تو اسے پاؤں جمانے کے لیے عرصہ درکار تھا۔ لکشمی بائی کا کوٹھا جو بازار میں کمائی کی رینکنگ میں سرِفہرست تھا اس کی رینکنگ اتنی تیزی سے گری کہ وہ سرے سے کمائی کرنے والوں کی فہرست سے نکل گیا۔ اگلی سہ ماہی میں حساب کتاب کے بعد جو خسارہ سامنے آیا۔ اسے دیکھ کر لکشمی بائی کا دل رکتے رکتے رہ گیا اور اس وقت سچ مچ رک گیا جب نیر تمام جمع جتھا لے کر اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی۔ لکشمی بائی زندگی بھر کی

کمائی سے جدائی برداشت نہ کر سکی تھی۔

عرشی خود اس زندگی سے تنگ آگئی تھی۔ اس کی ماں کے لالچ نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتارا اور اس کی زندگی بھی برباد کی۔ وہ بازار کی ان عورتوں کو حسرت سے دیکھا کرتی تھی جو شادی کر کے یا بھاگ کر اس جنجال سے نکل گئی تھیں۔ خود اس کے لیے کتنی پیش کشیں ہوئیں مگر اس کی ماں سونے کا انڈا دینے والی اس مرغی کو کسی صورت اور کسی قیمت پر بیچنے کو تیار نہیں تھی۔ اب وہ پرانے طلب گار اور عشاق بھی باقی نہیں رہے تھے۔ سوائے میاں منصور کے، عرشی بیگم ان کے بارے میں صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک بڑے جاگیردار تھے اور رنگین تتلیوں کے عاشق اسی لیے وہ سال میں چھ مہینے لاہور میں گزارتے تھے۔ لکشمی بائی کے انتقال کے بعد انہوں نے پھر اپنی پیش کش دہرائی تھی کہ اگر عرشی ان سے شادی کر لے تو وہ شہر میں اسے کار اور کوٹھی لے کر دیں گے۔ نیز ہر مہینے معقول جیب خرچ بھی ملا کرے گا۔ پہلے یہ سراسر گھاٹے کا سودا تھا مگر اب عرشی بیگم کو اسی میں عافیت نظر آنے لگی تھی کہ وہ یہ پیش کش منظور کر لے۔ کچھ عرصے بعد وہ بیگم منصور بن چکی تھی۔ یہ مونا ان ہی منصور کی اولاد تھی۔

میاں منصور عمر میں عرشی سے دگنے تھے مگر مرد ساٹھ کا پاٹھا ہوتا ہے پھر دولت بہت سارے عیبوں کو چھپا لیتی ہے۔ بظاہر عرشی دل و جان سے میاں منصور پر فدا تھی مگر لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ عرشی بیگم اپنے نوجوان اور خوب صورت ڈرائیور پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔ حاسدوں نے میاں صاحب تک یہ خبر بھی پہنچائی مگر ان کے سرد ردِعمل سے وہ اپنا منہ لے کر رہ گئے۔ البتہ کچھ عرصے بعد ڈرائیور پُراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ اس کے غریب گھر والوں نے خاصا واویلا کیا اور میاں منصور کو پولیس تھانے کی دھمکی بھی دی۔ اس کے نتیجے میں پولیس خود آکر انہیں تھانے لے گئی اور جب یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی کہ میاں منصور جیسے بااثر افراد کے منہ لگنا سخت غلطی ہے تو مک مکا کر کے انہیں چھوڑ دیا گیا۔

شادی کے فوراً بعد میاں منصور نے حسبِ وعدہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی عرشی بیگم کے نام کر دی۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ تاعمر ان کی بیوی بن کر رہے گی اور اگر کوئی اولاد ہوئی تو کوٹھی کی ملکیت اس کے نام ہو جائے گی۔ البتہ کار عرشی بیگم کے نام ہی سے لی گئی تھی۔ میاں منصور نے اس کے نام ایک معقول رقم بھی بینک میں جمع کرادی تھی۔ جس میں ماہ بہ ماہ خاصا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ چالاک عرشی بیگم اس اکاؤنٹ کو چھیڑنے کے بجائے اپنے تمام اخراجات بھی میاں منصور سے وصول کیا کرتی تھی۔ یہی نہیں اس کی نظریں میاں صاحب کی جاگیر پر مرکوز تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے اصرار کے باوجود میاں منصور نے اسے اپنی جاگیر پر لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"ہم کتنی شادیاں کر لیں مگر جاگیر اور حویلی پر صرف ایک بیوی رہتی ہے۔ وہ ہماری وارث کی ماں ہوتی ہے۔"

"یہ تو ناانصافی ہوئی نا میاں صاحب۔" عرشی بیگم نے ناز سے کہا "اب زیب بھی تو آپ کی اولاد ہے کیا یہ آپ کی جاگیر اور دولت سے محروم ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھائے گی۔"

"خدا نہ کرے۔" میاں منصور نے پاس کھیلتی زیب النسا کو دیکھا "میں اس کے لیے اتنا کچھ کر جاؤں گا کہ اسے زندگی میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور اب مجھ سے ان معاملات پر بات مت کرنا۔ میں خاندان کی روایات سے مجبور ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

مگر میاں صاحب کے دل میں بھی یہ بات تھی کہ انہیں زیب النسا کے لیے کچھ کرنا چاہیے لہٰذا انہوں نے دس لاکھ روپے سے ایک ٹرسٹ بنا دیا اور جب مونا پچیس سال کی ہو جاتی تو اسے اس ٹرسٹ پر اختیار حاصل ہو جاتا۔ اس زمانے میں دس لاکھ روپے بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے۔ آج کے تقریباً ایک کروڑ روپے کے برابر۔ پچیس سال کی عمر میں زیب النسا کو اتنی ہی رقم ملتی اور اگر درمیان میں ہی اس پر کوئی افتاد آجاتی تو وہ ٹرسٹ سے ماہانہ کچھ رقم لے سکتی تھی۔ شومیِ قسمت اس کے ایک سال بعد ہی میاں منصور انتقال فرما گئے اس وقت زیب النسا دس سال کی تھی۔

○☆○

متعدد تاریخی حوالوں اور روایات سے ثابت ہوتا تھا کہ طوائف گھوم پھر کر اپنے پیشے کی طرف ہی آجاتی ہے۔ میاں منصور کی قید سے آزادی کے بعد عرشی بیگم کے بھی کچھ ایسے ہی منصوبے تھے مگر اس نے طریقۂ کار بدل لیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ معاشرے سے دور کوٹھوں کی روایات دم توڑ رہی تھیں جو پہلے کوٹھوں کا خاصہ تھا۔ اب وہ معاشرے میں عام ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے جو شریف گھرانوں میں بے حیائی سمجھی جاتی تھی، وہ اب معاشرے کی تہذیب تھی۔ کوٹھے والیاں کوٹھے چھوڑ کر کوٹھیوں میں اتر آئی تھیں اور ان کے دھندے اب شوبزنس اور فن جیسے ناموں کی آڑ میں کہیں زیادہ پھل پھول رہے تھے۔ عرشی کی نگاہیں ان سے کہیں آگے تھیں۔ وہ زیب النسا کو شوبزنس اور خاص طور سے فلم لائن میں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس میں زیادہ کمائی کے ساتھ نیک نامی بھی تھی جب کہ انہوں نے تمام عمر صرف بدنامیاں سمیٹی تھیں۔ اپنی جاہل اور لالچی ماں سے عرشی بیگم نے سبق سیکھا تھا کہ اپنے سرمائے کو دانش مندی سے استعمال کرنا چاہیے کیونکہ ان کا "سرمایہ" وقت کے ساتھ کم ہوتا تھا بڑھتا نہیں تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ روپے کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اسے اپنی جانب کھینچنا چاہیے۔ اس نے زیب النسا کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ شہر کے ایک بہترین انگلش اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ عرشی بیگم نے گھر پر اس کے لیے استادوں کا انتظام کر دیا تھا جو اسے رقص اور گانے کی تربیت دینے آتے تھے۔ ناز و ادا اور مردوں کو رجھانے کے گُر اسے عرشی بیگم خود سکھا

رہی تھی۔ سولہ سال کی عمر میں جب اس نے جونیئر کیمبرج کیا تو وہ سادگی و پرکاری کا ایک حسین مجسمہ بن چکی تھی۔ اسے معصوم بن کر مردوں کے دلوں پر بجلیاں گرانے کا فن بہ خوبی آتا تھا۔ گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے وہ کسی اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ نظر آتی تھی۔ باپ کی حد تک یہ درست بھی تھا۔ اس دوران میں عرشی بیگم نے شوبزنس سے وابستہ افراد سے راہ و رسم بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا مگر اتنی ہوشیاری سے کہ انہیں شبہ نہ ہو کہ اسے ان سے کوئی غرض ہے۔

زیب النسا کے جونیئر کیمبرج پاس کرنے کی خوشی میں اس نے پارٹی کا اہتمام کیا۔ جس میں مدعو کئے جانے والے اکثر افراد کا تعلق شوبزنس سے ہی تھا۔ عرشی بیگم نے ایک ماڈل ایجنسی کھول رکھی تھی۔ وہ اشتہاری کمپنیوں اور فیشن ڈیزائنرز کو ماڈل مہیا کرتی تھی لیکن زیب النسا کو اس نے سامنے لانے سے گریز کیا تھا۔ وہ اسے تراش خراش کر ایسا ہیرا بنا رہی تھی جو پہلی نظر میں سب کی آنکھوں کو خیرہ کردے اور اس کی رونمائی کے لیے اس نے پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق جب زیب النسا لوگوں کے سامنے آئی تو لوگوں کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ایک لمحے کو محفل میں سناٹا چھا گیا۔ زیب النسا فاتحانہ انداز میں مسکراتی سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے لگی۔ بہت سارے افراد کا دل اس کے قدموں کے ساتھ ڈولنے لگا۔

”خواتین و حضرات‘ یہ ہے میری بیٹی زیب النسا۔“

عرشی بیگم نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔ لوگ بے اختیار تالیاں بجانے لگے۔ عرشی بیگم نے بجا طور پر اندازہ لگا لیا کہ اس نے پہلا راؤنڈ جیت لیا ہے۔ ایسے شکاری کی طرح جس نے دانہ ڈال دیا تھا۔ پرندوں نے دانہ دیکھ بھی لیا تھا اور اب انتظار تھا کہ وہ کب جال میں آتے ہیں۔ حسب توقع جلد عرشی بیگم کے پاس مختلف اشتہاری کمپنیوں کی پیش کشیں آنے لگیں۔ وہ گراں قدر معاوضے پر زیب النسا کو ماڈل لینا چاہ رہے تھے مگر سب سے اچھی پیش کش پروڈیوسر عظمت علی شیخ کی تھی۔ وہ زیب النسا کو لانگ پلے میں ہیروئن کا کردار دے رہے تھے۔ عرشی بیگم نے پہلے اسکرپٹ کا مطالبہ کیا۔ شیخ صاحب دنگ رہ گئے۔ وہ جس پائے کے پروڈیوسر تھے‘ بڑی بڑی اداکارائیں ان کے سامنے کام کرنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کرتی تھیں۔ ہر ”خدمت“ کے لیے تیار رہتی تھیں اور شیخ صاحب ان کی ”خدمات“ سے مستفیض بھی ہوتے رہتے تھے۔ وہ کسی نئی لڑکی کو چانس دیتے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی اور یہ لڑکی ان سے اسکرپٹ مانگ رہی تھی (عرشی بیگم نے اسکرپٹ کا تقاضا زیب النسا کی جانب سے کیا تھا)

”عرشی بیگم‘ کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔“ شیخ صاحب خفگی سے بولے۔

ایک لمحے کو عرشی بیگم دہل گئی۔ وہ کسی صورت اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی مگر اس کی پالیسی یہی تھی کہ بے غرضی ظاہر کی جائے۔ اس نے بے نیازی سے کہا ”آپ نہیں جانتے شیخ صاحب‘ میں نے صرف آپ کی وجہ سے زیب کو کتنی مشکل سے راضی کیا ہے۔ اسے ذرا بھی شوق نہیں ہے۔ شہرت سے تو دور بھاگتی ہے۔ بس اپنی دنیا میں مگن رہتی ہے۔ اسے سوائے موسیقی اور کتابوں کے کسی چیز کا شوق نہیں ہے۔ اب اس کا مطالبہ ہے پہلے اسکرپٹ دیکھے گی پھر فیصلہ کرے گی۔“

کوئی اور ہوتا تو شیخ صاحب اسکرپٹ کے بجائے اسے گالیاں دیتے اور ہمیشہ کے لیے ٹی وی سینٹر کے دروازے اس پر بند کردیتے مگر وہ بھی زیب النسا کے حسن کے کشتگان میں شامل تھے۔ بادل ناخواستہ انہوں نے اسکرپٹ عرشی بیگم کے حوالے کردیا۔ اب زیب النسا کو اپنے لانگ پلے میں لینا ان کی انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ ایک روز پہلے ہی انہوں نے پریس کانفرنس میں زیب النسا کو اپنی دریافت قرار دیتے ہوئے ڈرامے کے مرکزی کردار میں لینے کا اعلان کیا تھا۔ انہوں نے عرشی بیگم سے کہا۔

”اب میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ زیب النسا کو ہر صورت تیار کیجئے۔“

خاصے ناز نخروں کے بعد زیب النسا نے لانگ پلے میں کام کرنے کی ہامی بھرلی مگر شیخ صاحب کا گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہ آسکا تھا لہٰذا انہوں نے فوراً زیب النسا کو آئندہ سیریل میں کاسٹ کرلیا۔ زیب النسا بلاشبہ اچھی اداکارہ تھی۔ اس کی اداکاری نے لانگ پلے میں دھوم مچادی۔ اس کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ رقم کی پیش کش ہو رہی تھی مگر عرشی بیگم نے معذرت کرلی۔ وہ زیب النسا کو ماڈل بنانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ماڈلنگ کا مقصد عموماً ٹی وی تک رسائی ہوتا ہے جو زیب النسا کو پہلے ہی حاصل تھی اور رقم کی اسے کوئی کمی نہیں تھی۔ عرشی بیگم کے خیال میں ماڈلنگ زیب النسا کو ضائع کرنے کے مترادف تھی۔

زیب النسا مردوں کو رجھانے اور ان کی آتش شوق کو ہوا دینے کے فن سے بہ خوبی واقف تھی اور اپنا دامن بھی بچانا جانتی تھی اس لیے نہیں کہ عزت اس کے نزدیک انمول چیز تھی۔ وہ صرف خود کو سستا نہیں بیچنا چاہتی تھی۔ شیخ صاحب کی بے تابیاں روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھیں۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ زیب النسا کو عرشی بیگم کا سبق بہ خوبی یاد تھا۔ اس نے ناز و ادا کے ساتھ اسے یہ بھی سمجھایا تھا کہ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی کمزوری ہوتے ہیں اور اگر عورت اپنی اس کمزوری پر قابو پالے تو اس سے زیادہ شہ زور کوئی نہیں ہوتا۔ اس سبق کو وہ عملی طور پر شیخ صاحب پر آزما رہی تھی جو اس کے لیے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ انہوں نے اس کی ذرا سی فرمائش کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ سیریل میں وہ ٹی وی کی ریکارڈ معاوضہ حاصل کرنے والی اداکارہ بن گئی تھی۔ اس پر دوسری اداکاراؤں نے

خاصا ہنگامہ بھی کیا تھا مگر شیخ صاحب کی لابی بہت مضبوط تھی۔ ساتھ ہی انہوں نے زیب النسا پر تحفے تحائف کی بارش کردی تھی مگر اسے موم کرنے میں ناکام رہے۔ وہ جتنے ناکام ہو رہے تھے ان کا جنون اسی قدر بڑھتا جا رہا تھا۔ عرشی بیگم، شیخ صاحب کو منہ لگانے پر تیار نہیں تھی کیونکہ جب انہوں نے سیدھے طریقے سے دال نہ گلتی دیکھی تو عرشی بیگم کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ انہوں نے زیب النسا سے شادی کی درخواست کی تھی۔ عرشی بیگم اس درخواست پر بھڑک اٹھی۔

"آپ کا دماغ تو صحیح ہے شیخ صاحب۔ وہ آپ کی بچیوں جیسی ہے۔"

"مگر بچی تو نہیں ہے۔" شیخ صاحب اپنے جوش پر قابو پا کر بولے "میں اسے خوش رکھوں گا۔"

عرشی بیگم نے انہیں حقارت سے دیکھا "ذرا میں بھی تو سنوں آپ کیسے میری بچی کو خوش رکھیں گے۔ عمر میں آپ اس کے باپ کے برابر ہیں۔ وہ ڈیڑھ ہزار گز کی کوٹھی میں رہتی ہے۔ آپ کے پاس شاید چار سو گز کا بنگلا ہے۔ وہاں بھی آپ کے بیوی بچے رہتے ہیں۔ وہ کوئی گاڑی ایک سال سے زیادہ نہیں رکھتی۔ آپ کے پاس تین سال پرانی کرولا ہے۔ اس کا ذاتی خرچ آپ کی آمدنی سے زیادہ ہے پھر آپ اسے کیسے خوش رکھ سکتے ہیں؟"

حقیقت کا جوتا منہ پر پڑتے ہی شیخ صاحب بوکھلا گئے "میں... میں اس سے محبت کرتا ہوں پھر میری وجہ سے وہ ٹی وی پر راج کرے گی۔ میں پرائیویٹ طور پر سیریل شروع کر رہا ہوں۔ اس میں بھی ہیروئن وہی ہوگی۔"

"سوری شیخ صاحب، اب زیب کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ دراصل اس نے فلم سائن کرلی ہے۔ اگلے ہفتے اس کی شوٹنگ شروع ہونے والی ہے۔"

"فلم۔" شیخ صاحب چونکے "مگر میں نے تو نہیں سنا۔"

عرشی بیگم طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "شیخ صاحب ضروری نہیں ہے، ہر بات آپ کے علم میں ہو۔ اب میں معذرت چاہوں گی، مجھے ذرا جانا ہے۔"

شیخ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ "عرشی بیگم آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ نے مجھے سیڑھی کی طرح استعمال کیا اور پھر دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک رہی ہیں۔"

"ظاہر ہے دودھ میں مکھی کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی۔" عرشی بیگم نے کاٹ دار لہجے میں کہا اور شیخ صاحب بلبلا کر باہر نکل گئے۔

یہ درست تھا کہ زیب النسا نے فلم سائن کی تھی مگر معاہدہ چھ فلموں کا ہوا تھا۔ پہلی تین فلموں تک زیب النسا جس کا فلمی نام مونا تجویز کیا گیا تھا کسی دوسری فلم میں کام نہیں کرسکتی تھی اور بعد میں بھی مزید تین فلموں کی تکمیل تک اسے میڈم ریشماں کی فلموں کو ترجیح دینی تھی۔ یعنی وہ پہلے میڈم کو ڈیٹس دیتی اور اس کے بعد کسی دوسرے فلم ساز کی فلم کو۔ شیخ صاحب کی سیریل تقریباً مکمل ہوگئی تھی۔ اس کی آخری چند قسطیں آن ائر جانا باقی رہ گئی تھیں اور شیخ صاحب بظاہر مونا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ سیریل کا معاوضہ تک وہ اسے پیشگی دے چکے تھے۔ وہ یہ بات ظاہر کردیتے تو ان کی ملازمت خطرے میں پڑ جاتی مگر انہوں نے دل ہی دل میں ٹھان لیا تھا کہ عرشی بیگم اور زیب النسا کو مزہ ضرور چکھائیں گے۔

میڈم ریشماں بہ حیثیت اداکارہ فلم انڈسٹری میں آئی تھی۔ کئی سال دھکے اور دھوکے کھانے کے بعد اسے ایک اچھی فلم میں موقع ملا اور اس نے اپنی صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑ دیے۔ وہ اچھی اداکارہ تھی۔ خاص طور سے اس کی المیہ و حزنیہ اداکاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ میڈم ریشماں کا تعلق اس بازار سے تھا اس لیے اس نے شہرت کی "قیمت" ادا کرنے میں قطعی تکلف سے کام نہیں لیا مگر ساتھ ہی اسے شدت سے احساس ہوا کہ اداکار کتنا ہی آگے بڑھ جائے، اس کی حیثیت ہدایت کار اور فلم ساز سے کم ہی رہتی ہے لہٰذا اس نے کیریئر کے عروج پر فلموں سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کردیا اور ہدایت کاری کے میدان میں قدم رکھا اور پہلی ہی فلم نے دھوم مچادی۔ اس نے اچھی کہانی کا انتخاب کرکے اس پر بڑی ہنرمندی سے فلم بنائی جو کامیاب بھی رہی۔ یہ میڈم کی خوش قسمتی تھی کیونکہ فلم انڈسٹری میں اچھی فلم اور کامیاب فلم میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔ اکثر اچھی فلمیں فلاپ ہوجاتی ہیں اور بعض کم تر درجے کی فلمیں ہٹ ہوجاتی ہیں۔

اس کے بعد میڈم ریشماں کے پاس فلم سازوں کی لائن لگ گئی۔ سب کا ہی یہی مطالبہ تھا کہ اس موضوع پر فلم دوبارہ بنائی جائے جو المیہ رومانی تھا مگر میڈم نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔ اس نے ذاتی سرمائے سے ایک ہلکی پھلکی نیم کامیڈی اور نیم رومانی پکچر بنائی جو پہلی فلم سے قطعی مختلف تھی۔ مزید خوش قسمتی کہ یہ فلم بھی ہٹ ہوگئی اور میڈم سکہ بند ہدایت کارہ تسلیم کرلی گئی۔ اس وقت میڈم نے ایک اوسط درجے کے تقسیم کار سے شادی کر رکھی تھی اور دونوں میں خاصے عرصے سے اختلافات چل رہے تھے۔ دوسری فلم کی کامیابی کے ساتھ ہی میڈم نے اس سے طلاق لے لی اور ایک معروف ہیرو سے شادی کرلی جو تیزی سے زوال کی طرف گامزن تھا مگر اس کی باکس آفس ویلیو میں کوئی کمی نہیں آئی تھی یوں میڈم کو گھر کا ہیرو مل گیا اور اس نے ایک فارمولا وضع کرلیا۔ معروف ہیرو کے ساتھ نئی ہیروئن لے کر کسی اچھے موضوع پر فلم بنالو، لوگ ہیرو کی اداکاری دیکھتے ہیں اور رہی ہیروئن تو لوگ ہیروئن کو دیکھتے ہیں۔ میڈم کسی بھی نئی باصلاحیت لڑکی سے تین چار فلموں کا معاہدہ کرلیتی تھی یوں ہیروئن اسے مفت میں پڑ جاتی تھی اور اگر فلم ہٹ ہوجائے تو وہ اس کی کامیابی کو اگلی فلموں میں برائے نام معاوضے پر کیش کرالیتی اور فلم ناکام ہوجائے تو اسی ہیروئن کو باقی فلموں میں سائڈ ہیروئن کا کردار دے کر اپنا خسارہ پورا کرلیتی۔ اپنی اسی پالیسی

کو میڈم نے فلم انڈسٹری کو نئے چہرے دینے کے بہانے میں چھپالیا تھا۔

جیسے ہی میڈم کے شوہر کی لگاتار فلمیں فلاپ ہونا شروع ہوئیں‘ اس نے فوراً ہی اس سے بھی طلاق لی اور اب دوبارہ ایک شوہر کی تلاش میں تھی پھر اسے ایک غیر معروف نوجوان مل گیا۔ صرف کاروباری رشتے استوار کرنے والی میڈم زندگی میں پہلی بار دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی۔ اس نے پہلے نوجوان کو فلموں میں متعارف کرایا۔ خوش قسمتی سے زیادہ باصلاحیت نہ ہونے کے باوجود راحیل خان کی ابتدائی فلمیں خاصی کامیاب رہیں۔ اس میں زیادہ دخل اس کی خوب صورتی کا تھا۔ وہ مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والی میڈم یوں ہی دل نہیں ہار گئی تھی مگر راحیل خان توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ دوسرے فلم سازوں نے جلد ہی اس سے ہاتھ کھینچ لیا۔ البتہ میڈم کی فلموں میں ہیرو وہی ہوتا تھا۔

اپنے فارمولے پر عمل کرکے میڈم نے پچیس فلمیں پروڈیوس کی تھیں جن میں سے درجن بھر سپرہٹ ثابت ہوئیں۔ نصف درجن نے اوسط درجے کی کامیابی حاصل کی اور بقیہ فلاپ ہوئیں۔ ان میں سے تین فلمیں صرف راحیل خان کی تھیں۔ اس کے باوجود کامیابی کا یہ تناسب دوسرے ہدایت کاروں اور فلم سازوں کے لیے باعثِ رشک و حسد تھا۔ ایک چوہدری تو کھلم کھلا کہتا تھا۔

”میڈم جی کی فلموں میں اتنی کہانی بھی نہیں ہوتی جتنے ان کی ہیروئن کے جسم پر کپڑے ہوتے ہیں اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔“

جوابی کارروائی کے طور پر میڈم نے بھری محفل میں چوہدری صاحب کی اس فلم کا ذکر کیا جسے سنسر بورڈ نے یہ کہہ کر سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کردیا تھا کہ ابھی وطن عزیز میں بلیو فلموں کا رواج نہیں ہوا ہے۔ مجبوراً چوہدری نے فلم کی طوالت میں ایک بٹا چار کی کمی کی اور سنسر نے بادل ناخواستہ اسے پاس کیا۔ بعد میں یہ فلم سینماؤں میں سنسر شدہ حصے کے ساتھ لگی اور خاصی مقبول ہوئی تھی۔

اس دندانِ شکن جواب کے بعد مخالفوں کی ہمت پست ہوگئی مگر یہ سچ تھا کہ میڈم کی فلمی بارہ مسالے میں ہیروئن کی نمائش کا ”گرم مسالا“ کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ میڈم کی فلموں کی دوسری خصوصیت بیرونِ ملک شوٹنگ تھی۔ ایشیا کے چند ایک ممالک ہی بچے تھے جہاں میڈم نے کسی فلم کی شوٹنگ نہیں کی تھی مگر اس کا عزم تھا کہ وہ جلد ہی ان ممالک کے ”حسین“ نظاروں پر بھی کوئی نہ کوئی فلم ضرور بنائے گی۔ اس سلسلے میں بھی مخالفین یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ میڈم ناچنے گانے والی ہیروئن کے ساتھ پاؤڈر والی ہیروئن بھی لے جاتی تھی۔ خام فلموں کے ڈبوں کو کوئی نہیں چیک کرسکتا اور نہ انہیں مشین سے گزارا جاتا ہے۔ میڈم نے انہیں ہمیشہ بھونکنے والے کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

اپنی آخری ہیروئن کو وہ معاہدے کے تحت تین فلموں میں استعمال کرچکی تھی اور فلموں کی ناکامی کی وجہ کمزور کہانی اور ہیرو یعنی راحیل خان کی کمزور اداکاری تھی۔ ہیروئن میں کوئی خامی نہیں تھی اس کے باوجود وہ بے چاری ناکامی میں حصے دار بن گئی تھی۔ میڈم نے اسے مزید فلموں میں لینے سے گریز کیا کیونکہ وہ ان دنوں کچھ زیادہ ہی راحیل خان کے اردگرد منڈلا رہی تھی۔ میڈم کی نئی ہیروئن کی تلاش زیب النسا پر جاکر ختم ہوئی جسے میڈم نے مونا کا فلمی نام دیا۔ اس نے مونا کو ڈرامے میں دیکھا اور ڈراما ختم ہونے سے پہلے اسے اپنی اگلی ہیروئن منتخب کرلیا۔ میڈم نے اندازہ لگایا کہ یہ لڑکی فلم انڈسٹری کی تمام ہیروئنوں سے بڑھ کر ثابت ہوگی۔ چہرے مہرے اور جسمانی لحاظ سے وہ مکمل تھی اور اس میں اداکاری کی صلاحیت بھی تھی۔ اس نے جس اعتماد سے پہلی مرتبہ کیمرے کا سامنا کیا تھا‘ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ آگے جائے گی۔ میڈم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے پہلے بک کرلیا۔

یہاں عرشی بیگم کی عیاری میڈم کے تجربے سے مار کھا گئی۔ صحیح بات یہ تھی کہ یہاں عرشی بیگم ضرورت مند تھی۔ وہ میڈم کے آگے جھکنے پر مجبور تھی اور پھر چھ فلموں کا معاہدہ بھی اسے اچھا لگا۔ یہ سوچ کر کہ وہ کم از کم چھ فلموں کی حد تک ٹھیک ہے حالانکہ معاہدے کی یہ شق سراسر میڈم کے حق میں تھی۔ وہ جب چاہتی اسے نکال باہر کرتی۔ فلم کا معاوضہ ایک لاکھ روپے طے پایا۔ جو اگرچہ موجودہ معیار سے بہت کم تھا مگر ایک نئی ہیروئن کے لیے اچھا خاصا تھا۔ یہاں مفت کام کرنے والیوں کی کمی نہیں تھی اور ایسی بھی بے شمار تھیں جو فلم میں ہیروئن آنے کے لیے میڈم کو بلینک چیک دینے کو تیار تھیں مگر میڈم جانتی تھی... وہ اداکاری میں بھی بلینک تھیں۔ اس معاملے میں میڈم کا اصول تھا‘ وہ صرف ان لڑکیوں کو چانس دیتی تھی جن میں اداکاری کی صلاحیت ہوتی تھی۔ البتہ مونا جتنا معاوضہ اس نے کسی کو نہیں دیا۔ راحیل خان نے اس پر اعتراض کیا تھا۔

”ایک نئی لڑکی کو اتنا معاوضہ دینا مناسب نہیں ہے۔“

”تم نہیں سمجھو گے ڈیئر۔“ میڈم مسکرائی ”یہ بھی ایک حربہ ہے۔ یہ بات لکھ کر رکھ لو کہ اس لڑکی کی پہلی فلم ہی ہٹ ہوگی اور اس کے بعد اسے ہر معاوضہ کم لگنے لگے گا۔ اگر میں نے اس سے کم رقم میں معاہدہ کیا تو وہ اسے توڑنے پر مجبور ہوجائے گی۔“

میڈم کے اندازے کے عین مطابق مونا کی پہلی فلم ہی ہٹ گئی۔ اس کی اداکاری اور اداؤں نے دھوم مچادی تھی۔ اس سے اگلی فلم بھی کامیاب رہی۔ مونا کی وجہ سے راحیل خان کی ساکھ کو بھی سہارا ملا۔ جو تیزی سے روبہ زوال تھی۔ میڈم نے فخر سے راحیل خان سے کہا تھا ”دیکھا‘ میں نہ کہتی تھی یہ لڑکی آتے ہی سب کو فتح کرلے گی۔“

راحیل خان نے اعتراف کیا کہ میڈم ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مونا کے مفتوحین میں وہ بھی شامل تھا مگر معاملہ دو طرفہ تھا۔ مونا نے پہلی بار ماں کی ہدایات بھلا کر راحیل کے لیے دل میں جگہ بنائی تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ وہ اظہار کیسے کرتے۔ مونا کے سر پر عرشی بیگم مسلط رہتی تھی تو راحیل خان میڈم کی نگاہوں میں رہتا تھا۔ انہوں نے فلم کو اظہار کا وسیلہ بنالیا۔ رومانی گفتگو اور مناظر وہ اتنے ڈوب کر کرتے کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا اور شاید یہی ان فلموں کی کامیابی کی وجہ تھی۔

دیکھا جائے تو راحیل خان اور میڈم کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ نہ صرف عمر میں اس سے بڑی تھی بلکہ شکل وصورت میں بھی کم تر تھی۔ راحیل خان تیس سال کی عمر میں بھی بیس بائیس سال کا تازہ دم اور خوبرو نوجوان نظر آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس سے بارہ سال چھوٹی مونا پہلی نظر میں اسے دل دے بیٹھی تھی۔ راحیل خان نے میڈم سے چھپ کر ایک کاٹیج لے رکھا تھا۔ دریا کے کنارے یہ علاقہ سنسان اور کم آباد تھا۔ وہاں زیادہ تر دولت مند طبقے کے ہٹ اور کاٹیج تھے جو وہاں پکنک منانے آتے تھے۔ یہ کاٹیج راحیل خان اپنی ''خفیہ سرگرمیوں'' کے لیے استعمال کرتا تھا اس کی اور مونا کی پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ اس مختصر سی ملاقات میں معاملاتِ عشق اتنی تیزی سے بڑھے کہ من تو کا فرق مٹ گیا۔ مونا کے لیے یہ پہلا موقع تھا' وہ دیوانی ہوگئی مگر گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا راحیل خان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ یک دم میڈم اسے بہت بری لگنے لگی۔ اتنی بری کہ اس کی تمام دولت مل کر بھی اسے راحیل خان کے لیے پُرکشش نہ رکھ سکی۔ وہ زندگی میں پہلی بار سنجیدگی سے اس سے چھٹکارے کے بارے میں سوچنے لگا۔

○☆○

میڈم نے گھر فون کرکے راحیل کو فوراً دفتر آنے کو کہا۔ میڈم کا دفتر ایک اسٹوڈیو میں تھا۔ چھٹی کے دن میڈم شوٹنگ نہیں کرتی تھی۔ اس کے بجائے وہ دفتر میں کاروباری معاملات طے کرتی اور آئندہ فلموں کی منصوبہ بندی کرتی تھی۔ اس نے راحیل سے کہا۔

''تم فوراً دفتر آجاؤ۔ کوہسار ایک اچھی کہانی لایا ہے۔''

راحیل خان خواب میں مونا کو دیکھ رہا تھا۔ یوں اٹھائے جانے پر سخت برہم تھا مگر میڈم کی بات ٹالنا ممکن نہیں تھا۔ بادلِ ناخواستہ وہ تیار ہونے لگا۔ کوہسار فلمی دنیا میں نیا مصنف تھا۔ پانچ سال پہلے وہ میڈم کے پاس ایک کہانی لے کر آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ رسالوں اور ڈائجسٹوں میں لکھتا رہا تھا۔ میڈم کو کہانی کا مرکزی خیال بہت پسند آیا۔ اس نے کوہسار سے اسے باقاعدہ اسکرین پلے کی شکل میں لکھنے کو کہا۔ کوہسار نے میڈم کی یہ فرمائش بھی پوری کردی۔ اس نے اسکرین پلے کو فلم کی شکل میں ڈھالا اور فلم ہٹ گئی۔ یہاں میڈم نے چالاکی دکھائی اور کوہسار کو معاہدے کے مطابق صرف اپنے لیے مخصوص کرلیا۔ یعنی اب وہ کسی اور کے لیے کہانی نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی کوہسار نے میڈم کے لیے کئی کہانیاں لکھیں۔ اس کی لکھی اکثر فلمیں ہٹ گئیں مگر کچھ عرصے پہلے اس کا میڈم سے معاوضے پر اختلاف ہوا۔ میڈم ابھی تک اسے پرانے معاوضے پر ٹرخا رہی تھی۔ میڈم نے معاوضہ بڑھانے سے انکار کردیا اور کوہسار نے میڈم کے لیے لکھنے سے انکار کردیا۔ میڈم کو کیا پروا تھی یہاں لکھنے والے بہت تھے۔ اس نے ایک کہانی کے لیے مظفر نجمی سے رجوع کیا جو فلمی دنیا کے سکہ بند مصنف تھے مگر ان کی دی ہوئی کہانیاں کمزور ثابت ہوئیں۔ میڈم کی ہنرمندی بھی ان میں جان نہ ڈال سکی۔ پے در پے تین فلاپ فلموں کے بعد میڈم نے ایک بار پھر کوہسار سے رجوع کیا اور اسے منت سماجت کرکے لکھنے پر آمادہ کرلیا۔ معاہدہ ختم ہونے کے بعد کوہسار دوسرے فلم سازوں کے لیے بھی لکھ رہا تھا۔

کوہسار کے بارے میں شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ وہ کہاں سے آیا' اس کا اصل نام کیا تھا کیونکہ کوہسار اس کا قلمی نام تھا۔ تقریباً تیس سالہ کوہسار خوش شکل اور اسمارٹ نوجوان تھا۔ ابتدا میں وہ بھاٹی گیٹ کے نزدیک کسی عمارت میں رہتا تھا اور سبزی منڈی کے ایک آڑھتی کے گودام میں کام کرتا تھا۔ اس کے ذمّے حساب کتاب تھا۔ بعد میں وہ ایک فلم ساز کی کوٹھی کی انیکسی میں منتقل ہوگیا۔ وہ اس سے پہلے رسالوں اور ڈائجسٹوں میں لکھتا رہا تھا۔ فلم ساز نے اسے فلم کی کہانی لکھنے کا مشورہ دیا۔ مشورہ اس کے دل کو لگ گیا۔ اس نے دن رات ایک کرکے کہانی مکمل کی اور اسے لے کر مختلف فلم سازوں کے دفاتر کے چکر کاٹنے لگا۔ خود اس فلم ساز نے اس کی کہانی پڑھنے کی زحمت نہیں کی جس نے اسے فلمی کہانی لکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ بالآخر وہ میڈم تک پہنچا۔ اس نے کہانی پڑھی اور فوراً اسے اپنی اگلی فلم کے لیے منتخب کرلیا پھر اختلافات کے بعد کوہسار دوسرے فلم سازوں کے لیے لکھنے لگا مگر اسے احساس ہوا کہ یوں وہ اپنی صلاحیتیں ضائع کررہا ہے۔ اکثر فلم ساز اسے منشی سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اس کی کہانیوں کی گہرائی میں نہیں جاتے تھے اور ان کا اصرار تھا کہ وہ ان کے لیے فارمولا فلمیں لکھے۔

بالآخر ایک شخص کی کوشش سے وہ دوبارہ میڈم کے لیے لکھنے پر رضامند ہوگیا۔ طے یہ پایا کہ اب وہ معاہدے کے بغیر لکھے گا مگر پہلے وہ کہانی میڈم کو دکھائے گا۔ اگر میڈم نے مسترد کردیا تو وہ کسی دوسرے فلم ساز کے پاس جائے گا۔ معاوضہ اسے اس کی پسند کا ملا کرے گا۔ یہ شرط میڈم نے نہایت کرب کے ساتھ قبول کی۔ کوہسار جب میڈم کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ کسی کیمرا مین کو بری طرح لتاڑ رہی تھی کوہسار کو دیکھ کر اس نے بادلِ ناخواستہ کیمرا مین کو دفع ہوجانے کو کہا۔

''ہاں تو میاں کوہسار اس دفعہ موضوع کیا ہے۔'' میڈم نے اس کے ہاتھ میں مسودے کا فولڈر دیکھ کر کہا۔

"بالکل منفرد، آپ تو کیا، اسے ہماری فلم انڈسٹری کے دوسرے لوگوں نے بھی نہیں فلمایا ہوگا۔"

"بنیادی خیال کیا ہے؟"

"ایک آسیبی پرچھائیں....."

"ایک منٹ یہاں ہمارے ملک میں ہارر فلمیں نہیں چلتیں۔"

"آپ نے درست کہا مگر یہ بھی تو دیکھیے کہ ہمارے ہاں ہارر فلمیں بنتی ہی کب ہیں۔ اچھے ہدایت کار سنجیدگی سے اس موضوع پر توجہ ہی نہیں دیتے لہٰذا چند ایک فلمیں جو بنی بھی وہ کمزور کہانی اور نا تجربے کاری کے باعث فلاپ ہوگئیں حالانکہ یہ عوام کے لیے ایک دلچسپ موضوع ہے اس پر ایک مضبوط کہانی کے ساتھ فلم بنائی جائے تو لوگ ضرور اس میں دلچسپی لیں گے۔ اب ہمارے پڑوسی ملک میں بھی ہارر فلمیں بنتی ہیں اور ہمارے ہاں شوق سے دیکھی جاتی ہیں۔"

میڈم نے بادلِ ناخواستہ کہا "ٹھیک ہے، تم پہلے مرکزی خیال سناؤ اس کے بعد ہی میں کہانی پڑھنے کا فیصلہ کروں گی۔"

"کہانی سنانے سے میں معذرت چاہوں گا۔ آپ جانتی ہیں میں بولنے کے معاملے میں کمزور ہوں۔ کہانی کا سارا تاثر ختم ہو کر رہ جائے گا۔ بہتر ہے کہ آپ کچھ وقت نکال کر کہانی پڑھ لیں اور پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کردیں۔" کوہسار نے کہا۔

"تم مسودہ میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ میں جلد پڑھنے کی کوشش کروں گی۔"

اتفاق سے اسی رات میڈم نے اپنے اسٹڈی روم میں اس مسودے کو پڑھنا شروع کیا تو پھر اسے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ کہانی اس قدر دلچسپ اور پُراسرار تھی کہ میڈم اس میں کھو کر رہ گئی۔ بعض حصے اتنے خوف ناک تھے کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ کہانی بنیادی طور پر انتقام کے گرد گھومتی تھی۔ ہیرو اور ہیروئن کے کردار محدود تھے مگر رومان کی گنجائش نکالی جاسکتی تھی۔ ویلن البتہ جاندار تھا اور سب سے پُراسرار اور مرکزی کردار آسیب کا تھا۔ جو ایک پرچھائیں تھی اور ہمیشہ سائے کی شکل میں نظر آتی تھی۔ میڈم کے خیال میں یہ فلم کے نقطۂ نظر سے بہترین خیال تھا۔ اس سے سین کم محنت میں زیادہ خوف ناک اور سنسنی خیز بنائے جاسکتے تھے۔ کہانی ختم ہوتے ہی میڈم نے اس پر فلم بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ فلم کامیاب نہ بھی ہوئی تو مالی لحاظ سے اس کے لیے دھچکا نہیں بنے گی۔ ہیرو گھر کا تھا۔ ہیروئن تقریباً مفت میں پڑ رہی تھی۔ فلم میں زیادہ کردار بھی نہیں تھے اور نہ ہی بھاری بھر کم سیٹ لگانے تھے۔ صبح تک میڈم فلم کی شوٹنگ کا شیڈول بنا چکی تھی۔ اس نے دفتر جاتے ہی کوہسار کو فون کیا۔

"تم فوراً دفتر آجاؤ۔ میں نے فلم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

پھر اس نے راحیل کو فون کرکے دفتر آنے کی ہدایت کی۔ پہلے کوہسار آیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ کہانی مسترد نہیں کریں گی۔"

میڈم فوراً محتاط ہوگئی "اب ایسا بھی نہیں ہے۔ مجھے مرکزی خیال پسند آیا لیکن کہانی میں تھوڑی بہت تبدیلیاں کرنا پڑیں گی۔"

"سوری میڈم۔" کوہسار نے نفی میں سرہلایا "میں کہانی میں تبدیلی کی اجازت نہیں دوں گا۔"

میڈم نے بہ مشکل اپنا غصہ ضبط کیا "کہانی میں فلمی سچویشن کی کمی ہے۔ خاص طور پر رومان اور گانوں کے مواقع کم ہیں۔ انہیں بڑھانا ہوگا۔ کم از کم چار گانوں کی گنجائش نکالنا ہوگی پھر کہانی کے کچھ حصے فلمی لحاظ سے مشکل ہیں۔ انہیں آسان بنانا ہوگا اور بعض حصوں میں سنسر کو اعتراض ہوگا۔"

کوہسار سکون سے میڈم کے اعتراضات سن رہا تھا۔ وہ بولا "یہ صرف آپ کا خیال ہے کہ فلمی سچویشن کی کمی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ کہانی زیادہ طویل نہیں ہے۔ آپ تین گھنٹے پورے کرنے کے بجائے ڈھائی گھنٹے کی فلم بھی بنا سکتی ہیں۔ فلم کیونکہ رومانی نہیں ہے لہٰذا اس میں رومان اور گانوں کی گنجائش بھی کم ہے پھر آپ ذرا غور کریں۔ ایک ہارر فلم میں زبردستی رومان ڈالا جائے تو اس کے اصل تاثر کا کیا حشر ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ آپ فلم کے امیج کو صاف ستھرا رکھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے دیکھنے آئیں۔ میرا مطلب ہے خواتین اور بچوں سے ہے اور رہے مشکل سین تو میرا نہیں خیال کہ آپ جیسی تجربے کار ڈائریکٹر کو یہ سین فلمانے میں دقت ہوگی۔ آپ پہلے اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ سین فلما چکی ہیں۔"

میڈم پہلے ہی ان سب پر سوچ چکی تھی اور کوہسار کی باتوں سے سو فیصد متفق تھی مگر یہ اس کی عادت کے خلاف تھا کہ وہ کسی کے کام کو سراہے اور اس کی تعریف کرے۔ اعتراضات کرکے وہ کوہسار کے متوقع معاوضے کو گھٹانے کی کوشش کررہی تھی۔ لہٰذا اس نے ایک نیا نکتہ ڈھونڈ نکالا۔

"ہم شوٹنگ کے لیے مطلوبہ حویلی اور علاقہ کہاں تلاش کریں گے۔ اس معاملے میں لازماً کہانی میں تبدیلی کرنا پڑے گی۔"

کوہسار مسکرایا "اس کی آپ فکر نہ کریں۔ حویلی اور علاقہ بھی موجود ہے بلکہ یہ کہانی بھی آسیبی پرچھائیں کی حد تک درست ہے۔"

"یہ حویلی اور علاقہ ہے کہاں؟" میڈم چونکی۔

"راولپنڈی کے شمال مشرق میں ایک گاؤں ہے وہیں پر۔"

"او مائی گاڈ اتنی دور۔" میڈم نے چلّا کر کہا "تمہیں معلوم ہے، وہاں جانے کی صورت میں کتنے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔"

اسی لمحے راحیل دفتر میں داخل ہوا۔ اس نے میڈم کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ وہ خوش دلی سے بولا "کیسے اخراجات اور کیسے

برداشت کرنا ہوں گے۔ ہیلو کوہسار کیسے ہو؟" آخری الفاظ اس نے کوہسار کی طرف دیکھ کر کہے۔

"شوٹنگ کے لیے اور ظاہر ہے میڈم کو برداشت کرنا ہوں گے۔" اس نے ہنس کر راحیل سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "آپ سے خاصے عرصے بعد ملاقات ہورہی ہے۔"

"کیا اس دفعہ میڈم امریکا شوٹنگ کرنے جارہی ہیں۔"

"امریکا نہیں راولپنڈی۔" کوہسار ہنسا "انہیں وہاں جانے اور وہاں شوٹنگ کرنے کے اخراجات زیادہ لگ رہے ہیں۔"

"راحیل، ہمیں شوٹنگ کے لیے تقریباً ڈیڑھ مہینے وہاں رہنا پڑے گا۔ کم از کم بیس افراد کا یونٹ ہوگا اور ان میں سے آٹھ نو فائیو اسٹار ہوٹل سے کم کی رہائش نہیں مانگیں گے۔ بقیہ افراد کے لیے بھی کسی اچھی جگہ انتظام کرنا پڑے گا۔ اخراجات کا اندازہ تم خود لگالو۔" میڈم نے کہا۔

کوہسار بولا "مگر یہ اخراجات آپ کی اس فلم سے پھر بھی کم ہوں گے جو آپ نے تین مہینے تھائی لینڈ میں رہ کر بنائی تھی اور فلم بھی ناکام رہی تھی۔"

میڈم نے اسے گھورا "وہ الگ بات تھی۔ کہانی باہر ملک کی تھی لہٰذا شوٹنگ بھی وہاں لازمی تھی۔ اب دیکھو لاہور کے اردگرد حویلیوں کی کمی نہیں ہے تو پھر راولپنڈی جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"آپ علاقے کی لوکیشن کو نظرانداز کررہی ہیں۔ آپ لاہور میں پہاڑ اور جنگل کہاں سے لائیں گی۔" کوہسار نے اسے یاد دلایا۔

"اسی لیے تو میں کہانی میں تبدیلی چاہ رہی ہوں۔"

چند لمحے سوچ کر کوہسار فیصلہ کن انداز میں بولا "میڈم، میرا فیصلہ اب بھی یہی ہے۔ کہانی اور لوکیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اب آگے آپ کی مرضی۔"

میڈم کا غصے سے بُرا حال تھا "کوہسار مت بھولو کہ تم صرف ایک رائٹر ہو۔ تمہارا کام تھا کہانی لکھنا، تم نے لکھ دی۔ اب میرا کام شروع ہوا ہے لہٰذا جو میں مناسب سمجھوں گی، وہی کروں گی۔"

بے اختیار کوہسار نے راحیل کی طرف دیکھا اور پھر مسودے کا فولڈر اپنی طرف کھینچا۔ "مجھے افسوس ہے میڈم، شاید اب یہ کہانی مجھے چوہدری نذیر صاحب کو دینی پڑے۔ مجھے یقین ہے، وہ میری شرائط تسلیم کرلیں گے۔ پہلے بھی وہ مجھے منہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار تھے۔"

میڈم کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بہ مشکل خود کو پھٹ پڑنے سے باز رکھے ہوئے ہے۔ ایک تو کوہسار اس کی بات ماننے سے انکار کررہا تھا اور دوسرے چوہدری نذیر کے نام نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ وہ ہمیشہ سے میڈم کا حریف رہا تھا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ میڈم اس فلم کو اپنے وسائل سے بنانا چاہ رہی تھی۔ گذشتہ تین فلموں کی ناکامی نے اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ لہٰذا اس کی کوشش تھی کہ کم سے کم اخراجات میں فلم بنائے اور اس کا منافع بلاشرکت غیرے حاصل کرے۔ جب کہ کوہسار کی مجوزہ جگہ پر جاکر شوٹنگ میں اتنے اخراجات تھے کہ اسے لازماً کسی نہ کسی فنانسر یا ڈسٹری بیوٹر سے رقم لینا پڑتی اور وہ فلم کے منافع میں حصے دار بن جاتا مگر وہ بہرصورت اس کہانی کو حاصل کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس نے دانت پیس کر کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

کوہسار نے مسکرا کر فولڈر واپس میز پر رکھ دیا "مجھے یہی امید تھی۔"

"لیکن معاوضہ تمہیں پہلے جتنا ملے گا۔"

"میرے پاس اس سے بھی بہتر تجویز ہے۔" کوہسار بولا "آپ معاوضے کے بجائے مجھے فلم کے منافع میں شامل کرلیں۔"

"منظور ہے۔" میڈم نے فوراً کہا "میں تمہیں دس فیصد دوں گی۔"

"نہیں بیس فیصد۔"

"ہرگز نہیں پندرہ فیصد سے ایک روپیہ زیادہ نہیں ملے گا۔"

"منظور ہے۔" کوہسار نے مرے مرے سے انداز میں کہا "ویسے میڈم آپ ظلم کررہی ہیں۔"

میڈم نے اس کی بات نظرانداز کی "تم فوراً اسکرین پلے کی تیاری شروع کردو۔ ہم ایک مہینے کے اندر شوٹنگ شروع کرنے والے ہیں۔"

کوہسار بولا "گویا آپ عنقریب پریس کانفرنس میں فلم کا اعلان کردیں گی۔"

"فلم کا نام کیا ہوگا؟" راحیل بولا۔

"پرچھائیں۔" کوہسار نے کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، نہ جانے کیوں راحیل ایک ثانیے کے لیے لرز اٹھا۔

کوہسار کے جاتے ہی میڈم نے اپنے سیکریٹری ادریس شاہ کو طلب کیا۔ یہ شخص گزشتہ بیس سال سے میڈم کے ساتھ تھا اور اس کا بے حد وفادار سمجھا جاتا تھا۔ میڈم نے اس سے کہا "کل شام ایک پریس کانفرنس کا اعلان کرو۔ کانفرنس کسی اچھے ہوٹل میں رکھو۔"

○☆○

عرشی بیگم کے دفتر میں داخل ہوتے ہی میڈم اس کی آمد کی وجہ بھانپ گئی تھی۔ اس نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا "آیئے عرشی بیگم، آج ہماری یاد کیسے آگئی۔"

عرشی بیگم خاصی بھری ہوئی آئی تھی مگر میڈم کے انداز نے اسے تھوڑا سا گڑبڑا دیا۔ اس نے اخبار میڈم کے سامنے پٹخ دیا۔

"یہ کیا ہے میڈم؟" اس کا اشارہ پریس کانفرنس والی خبر اور مونا کے اس فلم کے ہیروئن ہونے کے بارے میں تھا۔

"غالباً یہ میری نئی فلم کی پریس کانفرنس کی روداد ہے۔" میڈم نے سکون سے کہا "اس میں کیا خاص بات ہے۔"

"آپ نے ہم سے پوچھے بغیر مونا کو اپنی فلم کی ہیروئن بنانے کا اعلان کردیا۔" عرشی بیگم تلخ لہجے میں بولی۔

میڈم کی پیشانی پر بل آگئے "غالباً آپ بھول رہی ہیں عرشی بیگم کہ مونا چھ فلموں کی تکمیل تک میری پابند ہے لہٰذا میں جب چاہوں اسے فلم میں کاسٹ کرسکتی ہوں پھر ان دنوں وہ فارغ ہے لہٰذا آپ کو کیا اعتراض ہے۔"

"دراصل مونا فارغ نہیں ہے۔" بے اختیار عرشی بیگم کے منہ سے سچ نکل گیا جسے وہ چھپانا چاہ رہی تھی۔ وہ فوراً پچھتانے لگی۔

"آپ اپنے جملے کی وضاحت کریں گی۔" میڈم اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

عرشی بیگم مزید بوکھلا گئی "وہ.... دراصل مونا نے دوسرے کچھ فلم سازوں کی فلمیں سائن کی ہیں۔ اب اکرام شیخ صاحب کی فلم کی تو شوٹنگ بھی اگلے ہفتے سے شروع ہو رہی ہے۔ مونا آپ کی فلم کو ڈیٹس کہاں سے دے گی۔"

"اچھی بات ہے مونا ابھی نوجوان ہے۔ اسے مزید فلموں کی آفرز بھی ہوں گی۔" یک لخت میڈم کا لہجہ سرد ہوگیا "مگر میری شوٹنگ کے ڈیٹس دینا آپ کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ آپ کیسے سلجھاتی ہیں، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"مجھے امید ہے آپ مونا سے جلد ڈیٹس کا اصرار نہیں کریں گی۔" عرشی بیگم نے کہا "وہ اگلے تین مہینے تک بالکل بھی فارغ نہیں ہے۔"

"یہ اصرار میں ضرور کروں گی۔" میڈم نے بدستور سرد انداز میں کہا "آپ کو معاہدے کی شق یاد ہوگی۔ جب تک مونا میری تین فلموں میں کام کر رہی ہے، وہ دوسری کسی فلم میں کام نہیں کرے گی۔"

"مگر اب تک تو مونا آپ کی چار فلموں میں کام کرچکی ہے۔"

"درست مگر معاہدے کے مطابق بقیہ دو فلموں میں بھی اسے کسی دوسرے فلم ساز کے مقابلے میں میری فلم کو ترجیح دینا ہوگی۔"

جاہل عرشی بیگم کے سر پر سے یہ نکتہ گزر گیا۔ وہ بے پروائی سے بولی "اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ مونا کو ان فلموں میں اس معاوضے سے چار گنا زیادہ مل رہا ہے۔ اگر آپ اتنا معاوضہ دے سکتی ہیں تو مونا آپ کی فلم میں کام کرے گی۔"

"آپ معاملے کو خراب کر رہی ہیں۔" میڈم کا لہجہ تلخ ہوگیا "معاہدے کی خلاف ورزی کرکے آپ کسی فلم میں کام نہیں کرسکیں گی۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہی ہیں۔ آپ کیا بگاڑ سکتی ہیں ہمارا؟"

میڈم کو بہ خوبی علم تھا کہ عرشی بیگم نے کن فلم سازوں سے معاہدے کیے تھے۔ اس نے سکون سے کہا "میں دھمکی نہیں دیا کرتی، جو کرنا ہوتا ہے عملاً کر گزرتی ہوں۔"

میڈم نے فون اٹھا کر ایک نمبر ملایا اور ساتھ ہی اسپیکر آن کردیا۔

"ہیلو اکرام شیخ اسپیکنگ۔" فون پر آواز ابھری۔

"شیخ صاحب، میں میڈم بات کر رہی ہوں۔ بہت دنوں سے آپ سے بات ہی نہیں ہوئی۔ سوچا آپ تو یاد کرتے نہیں ہیں، میں ہی خود فون کرلوں۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔ دراصل ان دنوں .... بڑی مصروفیت ہے۔"

"ہاں میں نے بھی سنا ہے آپ کسی نئی فلم کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ یہ بھی سنا ہے کہ آپ مونا کو ہیروئن لے رہے ہیں۔ ویسے آپ کے پاس کون سی ڈیٹس ہیں۔"

"اگلے مہینے کی دوسری تاریخ سے۔" میڈم کے منہ سے یہ سن کر اکرام شیخ اتنا بوکھلایا تھا کہ اس کے منہ سے سچ نکل گیا۔

"ارے یہی ڈیٹس میرے پاس بھی ہیں۔" میڈم نے حیرت کا اظہار کیا "دراصل معاہدے کے تحت مونا میری فلم کو ترجیح دینے کی پابند ہے۔"

"اچھا۔" اکرام شیخ پریشان ہوگیا "مجھے تو عرشی بیگم یا مونا نے بتایا ہی نہیں تھا، میں نے تمام تیاری کرلی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے شیخ صاحب۔ آپ یا تو اپنی ڈیٹس آگے بڑھا دیں یا پھر کوئی دوسری ہیروئن دیکھ لیں۔ بہ صورتِ دیگر مجھے کورٹ سے رجوع کرنا پڑے گا۔"

"ارے نہیں۔" اکرام شیخ بوکھلا گیا "میرے لیے آپ کا کہنا ہی کافی ہے مگر میڈم میں ایڈوانس دے چکا ہوں۔ اس کا کیا ہوگا؟"

"آپ اس کی فکر مت کریں، وہ میرے ذمے ہے۔"

"تب آپ اطمینان رکھیں۔"

میڈم نے فون بند کرکے فاتحانہ انداز میں عرشی بیگم کے سفید ہوتے چہرے کو دیکھا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ میڈم فلم انڈسٹری کی طاقت ور ترین عورت ہے۔ اس کی ایک فون کال پر اکرام شیخ جیسا بڑا فلم ساز پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"ہاں تو عرشی بیگم آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"مم..... میرا خیال ہے مونا آپ کی فلم میں کام کرے گی۔" اس نے خشک گلے کے ساتھ کہا "میں باقی فلموں کا ایڈوانس بھی واپس کردوں گی۔"

"مجھے امید تھی کہ آپ بالآخر یہی فیصلہ کریں گی۔"

میڈم نے عرشی بیگم کو فلم کے اسکرپٹ کے ساتھ رخصت کردیا۔ اکرام شیخ کو وہ جانتی تھی وہ جھگڑے فساد سے گھبرانے والا آدمی تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق کورٹ کا نام سنتے ہی وہ پیچھے ہٹ گیا۔

○☆○

راحیل نے ٹیکسی کالج سے خاصی پیچھے رکوائی "اگر تم مزید دو

سو روپے کمانا چاہتے ہو تو دو گھنٹے یہیں انتظار کرو۔" اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ اس نے انتظار کو ترجیح دی۔ راحیل مونا سے ملاقاتوں میں اتنا محتاط تھا کہ کبھی اپنی کار میں یہاں نہیں آیا۔ مونا پہلے آتی تھی اور وہ بعد میں۔ اسی طرح وہ پہلے چلا جاتا تھا اور مونا اس کے بعد نکلا کرتی تھی۔ حسبِ معمول وہ کاٹیج میں اس کی منتظر تھی۔ وہ اس کے اندر آتے ہی اس سے لپٹ گئی مگر اس کے انداز میں محبت سے زیادہ خوف و فکر تھی۔

"راحیل مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یہ تم کیسا کھیل، کھیل رہے ہو؟"

راحیل نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا "بس دیکھتی جاؤ۔ جانِ من، کھیل بہت اہم ہے اور اس میں تمہارا مرکزی کردار ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں اپنی بیوی سے چھٹکارا حاصل کرکے ہمیشہ کے لیے تمہارا ہو جاؤں۔ ہمارا ایک گھر ہو اور اس میں پیارے پیارے بچے ہوں تو تمہیں اپنا کردار خوبی سے ادا کرنا ہوگا۔"

ہر عورت کی طرح مونا کے خواب بھی کچھ اسی قسم کے تھے مگر اس کے لیے یہ سب ضروری تو نہیں ہے۔ "تم میڈم کو طلاق دے سکتے ہو۔ مجھے دولت اور شہرت نہیں چاہیے، کار اور کوٹھی بھی نہیں۔ بس مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔ میں اپنی ماں جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔"

راحیل نے اس کا گال سہلایا "میری جان، وسوسوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ تم میڈم کو نہیں جانتی، وہ بے حد حاسد اور کمینی عورت ہے۔ اگر میں نے اسے طلاق دے کر تم سے شادی کی تو وہ ہم دونوں کا جینا حرام کردے گی۔ نہیں اس کا مرجانا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر مجھے یہ سمجھاؤ کہ تمہارے منصوبے کا میڈم سے کیا تعلق ہے؟"

راحیل عجیب سے انداز میں مسکرایا "بہت گہرا تعلق ہے۔ تم سمجھ جاؤ گی مگر ابھی نہیں تم میرے کہنے پر عمل کرتی رہو اور دیکھو منزل خود بہ خود چل کر ہمارے پاس آجائے گی۔"

راحیل محسوس کررہا تھا کہ مونا کچھ سوچ رہی تھی اور اس کا سوچنا راحیل کے مفاد میں نہیں تھا۔ اس کے پاس مونا کو سوچنے سے باز رکھنے کا ایک آزمودہ نسخہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیا اور دو گھنٹے بعد جب وہ کاٹیج سے رخصت ہو رہا تھا تو مونا دل و جان سے اس سے متفق تھی۔ راحیل کے جانے کے چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"تم پھر واپس آگئے۔" مونا نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور ایک دم ساکت ہوگئی "سامنے راحیل نہیں بلکہ کوہسار کھڑا تھا۔"

"تم۔" مونا نے کہا پھر ایک دم اس کے چہرے پر ناگواری نمودار ہوئی "تم میری اور راحیل کی جاسوسی کررہے ہو۔"

کوہسار پھیکے انداز میں مسکرایا "تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔ مجھے شروع سے علم ہے کہ تم اور راحیل چھپ چھپ کر اس کاٹیج میں ملتے ہو مگر یہ راز میں نے اپنے سینے میں چھپا کر رکھا کہ تم کبھی نہ کبھی راحیل کی اصلیت جان جاؤ گی، وہ صرف کلی کلی منڈلانے والا بھونرا ہے جسے صرف تمہارے حسن سے دلچسپی ہے۔ تم...."

مونا نے اس کی بات کاٹی "ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔"

"یہ صرف تمہاری غلط فہمی ہے۔ مونا تم آنکھ بند کرکے ایک خطرناک راستے پر سفر کررہی ہو۔ راحیل تم سے مخلص نہیں ہے۔"

"شٹ اپ کوہسار۔" مونا نے طیش سے کہا "مجھے معلوم ہے تم جلتے ہو راحیل سے۔ اس سے حسد کرتے ہو۔"

کوہسار نے افسردہ نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا جو ایک خوب صورت مرد کی دیوانی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ اس خوب صورت نقاب کے پیچھے راحیل کا چہرہ کیسا ہے۔ کوہسار خود مونا سے محبت کرتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ جذبہ انسان کو کیسے سود و زیاں کے احساس سے بے گانہ کردیتا ہے۔ اس نے مونا کو خدا حافظ کہا اور اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

○☆○

میاں محمود کو جب میڈم کے ارادے کے بارے میں علم ہوا کہ وہ اس کی جاگیر پر فلم شوٹنگ کے لیے آرہی ہے تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ پچپن سالہ میاں جی کو ابھی بھی صنفِ نازک سے اتنی ہی دلچسپی تھی، جتنی کہ شیر کو گوشت سے ہوسکتی ہے۔ پیری کے باعث ان کی بھوک میں کمی ضرور ہوئی تھی مگر رغبت پہلے سے زیادہ آگئی تھی۔ انہیں یہ اطلاع لاہور میں ان کے ایک ایم پی اے دوست نے پہنچائی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ ایم پی اے میڈم کا دیرینہ "پرستار" تھا اور میڈم اس کی اور محمود میاں کی دوستی سے واقف تھی۔ اس کی درخواست پر ایم پی اے نے میاں جی کو فلم پارٹی کی میزبانی کرنے کو کہا تھا۔ یہ درخواست میاں جی نے دل و جان سے قبول کرلی تھی کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ فلم انڈسٹری کی نئی تتلی مونا بھی فلم پارٹی میں شامل ہے۔ البتہ وہ ایک بات سے بے خبر تھے کہ مونا رشتے میں ان کی سوتیلی بہن بھی تھی۔

جانے سے پہلے عرشی بیگم کے ساتھ ایک پُراسرار واقعہ پیش آگیا۔ ہر ہیروئن کی نانی دادی اور ماں کی طرح وہ بھی ہمہ وقت مونا کے ساتھ لگی رہتی تھی یا بالفاظِ دیگر اسے اپنی نگرانی میں رکھتی تھی۔ اگرچہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی بیٹی کیا گل کھلا رہی تھی۔ روانگی سے ایک ہفتے پہلے عرشی بیگم رات کو گھر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے گر کر ٹانگ تڑوا بیٹھی۔ اس نے وثوق سے کہا کہ اس کا پیر کسی تار نما چیز میں الجھا تھا مگر سیڑھیوں پر اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چھ مہینے کے لیے پلاستر میں بندھ کر عرشی بیگم بستر کی قیدی ہو کر رہ گئی۔ اس کا شوٹنگ پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے مونا

کو اکیلے جانے کی اجازت دے دی۔ یہ خیال اسے بعد میں آیا کہ اس نے معلوم نہیں کیا تھا کہ میڈم شوٹنگ کے لیے کہاں جا رہی ہے۔ عرشی بیگم نے میڈم کے دفتر فون کیا تو وہاں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ فلم پارٹی راولپنڈی کے نواح میں گئی ہے۔ عرشی بیگم متفکر ہو گئی ۔ اسے معلوم تھا کہ میاں منصور کی جاگیر بھی اسی علاقے میں تھی۔ اس نے عرشی بیگم سے شادی اپنی بیوی سے چھپ کر کی تھی یوں اس کو علم نہیں تھا کہ میاں منصور کی ایک بیٹی بھی تھی۔ یعنی جائداد کی وارث۔ جب کہ میاں محمود اس کی جاگیر کا اکلوتا وارث تھا اور یہ بات اس کے لیے خطرناک ہوتی اگر جاگیر کی ایک اور وارث سامنے آجاتی۔ عرشی بیگم نے فکر مند ہو کر کئی بار مونا کے موبائل فون پر بات کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار یہی جواب ملا کہ فون آؤٹ آف رینج ہے۔

سب طرف سے مایوس ہو کر عرشی بیگم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیے "اے اللہ! میری بچی کی حفاظت کرنا۔ غالباً زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب اس نے صدقِ دل سے خدا کو یاد کیا تھا۔

○☆○

جب میڈم کی فلم پارٹی ایک ..... بس اور ایک وین میں لد کر میاں پور میں میاں جی کی حویلی میں پہنچی تو گاؤں سے ایک ہجوم گاڑیوں کے پیچھے لگ گیا۔ غالباً فلم پارٹی والی بات گاؤں میں پھیل گئی تھی اور دس سال سے لے کر اسّی سال تک کے افراد فلم والوں کو دیکھنے کے شوق میں دوڑے چلے آئے تھے۔ میاں جی نے حویلی کے بڑے دروازے پر ان کا استقبال کیا اور ان کے منشی نے زبانی طور پر جمع ہونے والے ہجوم کی ماں بہنوں کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے، انہیں دفع ہو جانے کا حکم دیا مگر ہجوم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلا جب تک حویلی کا دروازہ بند نہیں ہو گیا۔ اندر میاں جی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کی راہ میں پلکیں بچھا دیں یا خود بچھ جائیں، خاص طور سے مونا کے لیے۔

دوسری طرف مونا بہ مشکل مسکرا کر میاں جی کے چہرے پر بکھری خباثت کو برداشت کر رہی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے آنکھوں میں کھا جائیں۔ کوہسار بہ مشکل اپنا غصہ ضبط کر رہا تھا اور راحیل عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ میاں جی ان کی خاطر مدارات پر آمادہ تھے مگر مونا نے تھکن کا بہانہ کر کے اپنی جان چھڑالی۔ میڈم اور ان کی پارٹی کے لیے مہمان خانے میں رہائش کا بندوبست کیا گیا۔ بادلِ ناخواستہ میاں جی نے مہمانوں کو ان کے کمروں میں پہنچانے کا حکم دیا۔ اس دھمکی کے ساتھ کہ رات کا کھانا انہیں میاں جی کے ساتھ ہی کھانا پڑے گا۔

نہا دھو کر اور کسی قدر سفر کی تھکن اتار کر میڈم نے فوراً ایک میٹنگ طلب کرلی۔ جس میں شیڈول کو حتمی شکل دی گئی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ فلم کا ابتدائی حصہ بعد میں فلمایا جائے گا۔ کوہسار نے فلم میں اس کہانی کا اصل حصہ بھی شامل کیا تھا۔ جب تین انگریزوں نے سادھو کی لڑکی کی بے حرمتی کر کے اسے مار دیا تھا اور انتقاماً سادھو نے اس پرچھائیں کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ انگریزوں کے کردار کے لیے میڈم نے مقامی فنکار لیے تھے اور کیوں کہ اس حصے کو میڈم اس کی پوری اثر انگیزی کے ساتھ فلمانا چاہتی تھیں للٰہذا اس نے اپنے اسسٹنٹ سعید احمد خان کو ان فنکاروں کی ریہرسل پر لگا دیا۔ پہلے اس نے مونا اور راحیل کے سین فلم بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں کلائمکس اور آخری سین بھی شامل تھے۔

آٹھ بجے میاں جی کا ملازم انہیں بلانے آگیا۔ کھانا لگ گیا تھا مونا کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر بادلِ ناخواستہ وہ تیار ہو کر ڈائننگ ہال میں پہنچ گئی۔ وسیع و عریض ٹیبل پر متعدد اقسام کے کھانے موجود تھے۔ علاقے میں دستیاب تمام حلال پرندے اور مویشی ان کھانوں میں شامل تھے۔ میاں جی، میڈم کو بتا رہے تھے کہ ان کی جاگیر پر کتنے اقسام کا شکار ملتا ہے۔ بالالفاظ دیگر ان کی جاگیر کتنی وسیع ہے۔ وہ لوگ خاموشی سے میاں جی کی گفتگو سن رہے تھے۔ اس دوران میں صرف میڈم نے کسی قدر بات کی۔ وہ واضح طور پر اس شخص سے بیزار نظر آرہے تھے۔

○☆○

راحیل، میڈم اور کوہسار پرانی حویلی کے کھنڈرات میں گھوم رہے تھے۔ پہلے تو میاں جی یہ سن کر پریشان ہو گئے کہ وہ ان کی پرانی حویلی میں شوٹنگ کرنا چاہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "نہ جی، آپ اس طرف نہ جائیں۔ بڑی بھیانک جگہ ہے۔ یہاں کا کوئی بندہ دن میں بھی وہاں جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ آپ نے شوٹنگ کرنی ہے تو یہاں خوب صورت جگہوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

میڈم نے کہا "میاں جی، ہم یہاں ایک ہارر فلم کی شوٹنگ کے لیے آئے ہیں اور اس کے لیے وہ پرانی حویلی ہی مناسب ہے۔ ویسے مجھے معلوم نہیں تھا کہ میاں پور اتنی خوب صوررت جگہ ہے ورنہ میں اپنے اسکرپٹ میں اس کی گنجائش نکال لیتی۔"

"مونا جی، آپ کے ساتھ نہیں جا رہی ہیں۔" میاں جی نے سرسری لہجے میں کہا۔

"نہیں، مونا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ آرام کر رہی ہے۔"

وہ لوگ حویلی کے سرسبز لان میں بیٹھے تھے۔ میاں جی کے پیچھے کھڑا ان کا خاص ملازم بار بار کن انکھیوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ لوگوں کا یوں جانا مناسب نہیں ہے، میں ایک دو نوکر آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

"یہ بہتر رہے گا مگر آدمی ایسا ہو جو پرانی حویلی کے بارے میں جانتا ہو۔"

"اوئے گامے، جا کر مجید کو بلا لا۔ اس کا سارا بچپن ہی اس حویلی میں کھیلتے گزرا ہے۔"

گاما تھوڑی دیر میں ایک عمر رسیدہ شخص کو لے آیا۔ یہ مجید

تھا۔ ذات کا دھوبی، وہ لوگ اس کی رہنمائی میں پرانی حویلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد گاما ہچکچاتے ہوئے میاں جی سے بولا۔

"میاں جی، ایک بات کہوں اگر آپ ناراض نہ ہوں۔"

میاں جی، مونا کے بارے میں سوچ رہے تھے لہٰذا اس مداخلت پر برہم ہوگئے مگر اپنے خاص ملازم کا مزاج بھی جانتے تھے، کوئی اہم بات اسی انداز میں کرتا تھا۔ "بولو گامے۔"

"میاں جی، وہ شخص جو ابھی میڈم کے ساتھ گیا ہے، نہ جانے کیوں مجھے بلا لگ رہا تھا۔"

میاں جی نے گھور کر اسے دیکھا "مگر وہ تو .... تجھے کیسے پتا چلا۔"

میاں جی اس کی شکل وصورت بالکل بلے جیسی ہے۔ بس تھوڑا سا فرق ہے۔ بلے کی ناک پر چوٹ کا نشان تھا جو اس کی ناک پر نہیں ہے۔ بلے کے بال کالے تھے اور اس کے ہلکے سنہری ہیں۔"

"بس تو پھر یہ بلا نہیں ہوسکتا۔" میاں جی نے فیصلہ کن انداز میں کہا "ویسے بھی کہاں وہ گاؤں کا جاہل اور کہاں یہ اتنا مشہور شخص۔ ذرا یہ تو سوچ اور اب تو اپنی بک بک کسی اور وقت کے لیے اٹھا کر رکھ۔"

میاں جی اٹھ کر مہمان خانے کی طرف بڑھے۔ ان کی ہدایت پر میڈم، راحیل، کوہسار اور مونا کو اعلیٰ درجے کے کمرے دیے گئے تھے۔ جو پہلی منزل پر تھے۔ فلم یونٹ کے دوسرے افراد نچلی منزل پر رہائش پذیر تھے۔ کچھ دیر بعد میاں جی مونا کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

"کون ہے۔" مونا نے پوچھا۔ میاں جی نے جواباً ایک اور دستک دی۔ کچھ دیر بعد جھلائی ہوئی مونا نے دروازہ کھولا۔ میاں جی کو دیکھ کر اس کے منہ کے زاویے بگڑنے لگے۔

"جی فرمایئے۔"

"مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت نصیبِ دشمناں خراب ہے۔ میں نے سوچا عیادت ہی کر آؤں۔" میاں جی ڈھٹائی سے مسکرائے۔

ایسا لگ رہا تھا کہ مونا انہیں ٹرخا دے گی مگر کچھ سوچ کر اس نے میاں جی کو اندر بلا لیا۔ ان کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

○☆○

میرے خدا یہ جگہ کس قدر اُجاڑ اور وحشت ناک ہے۔" میڈم نے حویلی میں گھومتے ہوئے کہا "دن میں بھی یہاں ہول آتے ہیں۔" سارے راستے چہکنے والے مجید کی زبان کو یہاں آکر بریک لگ گیا تھا اور وہ خاصا سہما سہما سا نظر آرہا تھا۔

"میڈم اب یہ آپ کا کام ہے کہ ماحول اور اس کے اثرات کو فلم اسکرین پر منتقل کریں۔" کوہسار بولا "اور اگر آپ کامیاب ہوگئیں تو یقین کیجئے۔ یہ ملک کی فلمی تاریخ کی سب سے دہشت ناک فلم ہوگی۔ چلتے چلتے وہ اس کمرے میں آنکلے جس کی دیوار پر تصویر پینٹ کی گئی تھی۔ تصویر حیرت انگیز طور پر بہتر حالت میں تھی۔ بس اس پر وقت کی گرد جم گئی تھی۔ کوہسار نے اپنا رومال دیوار پر پھیرا تو نیچے جگ مگاتی تصویر نکل آئی۔

"حیرت انگیز۔" میڈم کے منہ سے نکلا "ایسا لگ رہا ہے جیسے اسے ابھی ابھی پینٹ کیا گیا ہو۔"

"حالانکہ اسے پینٹ کئے ہوئے کم سے کم ساٹھ برس ہوچکے ہیں۔" کوہسار بولا۔

"اور جی پرچھائیں کا پہلا شکار بھی یہیں مرا تھا۔" مجید نے بتایا "مد کی لاش اس تصویر کے عین سامنے پائی گئی تھی۔" اچانک میڈم کو احساس ہوا کہ کوہسار کی کہانی اور حقیقت میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ کہانی کے مطابق ہیرو اور ہیروئن تفریح کے لیے اس علاقے میں آتے ہیں۔ ہیرو پُراسرار اشیا پر یقین نہیں رکھتا تھا لہٰذا جب اسے پرچھائیں کے بارے میں پتا چلتا ہے تو وہ اس کا کھوج لگانے پر تل جاتا ہے۔ دوسری طرف مقامی جاگیردار ہیروئن پر ریجھ جاتا ہے اور اسے اپنے دام میں لانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ اتفاق سے یہاں بھی ایک ہوس پرست جاگیردار تھا جو ان کی فلم کی ہیروئن پر مرمٹا تھا۔ کیا یہ اتفاق ہی تھا۔ سوچتے سوچتے میڈم لرز اٹھی۔ اس نے راحیل کا بازو تھام کر کہا۔

"مجھے اس جگہ سے خوف آرہا ہے۔"

راحیل نے اسے تسلی دی "ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ وہ آسیبی پرچھائیں صرف چاندنی راتوں میں متحرک ہوتی ہے اور لوگوں کو اپنا شکار بناتی ہے۔ دن میں اور تاریک راتوں میں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔"

کوہسار چونک اٹھا۔ وہ سوچ رہا تھا، راحیل کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

کچھ دیر بعد کیمرا مین اور دوسرے افراد بھی وہاں آگئے اور میڈم ان کے ساتھ مصروف ہوگئی۔ راحیل نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔ کوہسار واپس مہمان خانے میں لوٹ آیا۔ مونا کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے اندر سے مونا کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"بائی گاڈ! محمود صاحب، آپ بہت دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔"

کوہسار دم بہ خود کھڑا سن رہا تھا۔ وہ شخص جو مخالف کو دومنٹ میں اپنی باتوں سے بے زار کرسکتا تھا۔ مونا اسے دلچسپ قرار دے رہی تھی۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کم ان۔" مونا نے کہا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر میاں جی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے۔ مونا اسے دیکھ کر چہکی۔

"کوہسار، تم کہاں غائب تھے۔ میں ابھی تمہارے پاس آنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"اچھا جی، اب میں چلتا ہوں۔" میاں جی نے کہا اور چادر سنبھالتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ مونا دھڑام سے بستر پر گر گئی

"بائی گاڈ! میں نے ابھی اپنی زندگی کا ناگوار ترین وقت گزارا ہے۔"

"تم نے اسے اندر آنے ہی کیوں دیا۔" کوہسار کو میاں جی کا وجود ناقابلِ برداشت لگنے لگا۔

"مجبوری ہے، تم جانتے ہو ہم اس شخص کے مہمان ہیں اور ایک طرح سے اس کے رحم و کرم پر ہیں۔ اگر یہ ناراض ہو گیا تو شوٹنگ میں رکاوٹیں ڈال سکتا ہے۔ اس سے شوٹنگ میں تاخیر ہو گی اور میں مقررہ وقت سے ایک لمحہ زیادہ یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

"اور اس کی ہدایت تمہیں کس نے دی میڈم نے یا...."

"پلیز، تم ہر معاملے میں راحیل کو مت گھسیٹ لایا کرو۔" مونا نے برہمی سے کہا۔

نہ جانے کیوں کوہسار کو یہ برہمی مصنوعی لگی جیسے کوئی سچ چھپانے کے لیے غصے کا اظہار کرے۔ اس نے کہا "ٹھیک ہے، تم اس وقت تک نہیں سمجھو گی، جب تک تمہیں ٹھوکر نہیں لگے گی اور یہ ٹھوکر اب زیادہ دیر کی بات نہیں ہے۔"

○☆○

خود میڈم بھی جلد از جلد میاں پور سے جانا چاہتی تھی لہٰذا اس نے تیز رفتاری سے شوٹنگ شروع کر دی۔ ساتھ ہی کچھ اور سین جو اس نے پہلے یہاں کرانے کا سوچا تھا، اب ملتوی کر دیے۔ یہ سین لاہور ہی میں ہونا تھے۔ مونا اس کی توقع سے بہتر کام کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کیونکہ مونا اس فلم میں بادلِ ناخواستہ کام کرنے پر تیار ہوئی تھی، اس لیے دل جمعی سے کام نہیں کرے گی۔ مونا نے اس کے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ خاص طور پر اس کے خوف زدہ ہونے کی اداکاری بے مثال تھی۔ راحیل بھی اچھا کام کر رہا تھا اور ان دونوں کا کام صرف میاں پور تک محدود تھا۔

اس شام کو جب میڈم ایک سین کی شوٹنگ میں مصروف تھی۔ راحیل اور مونا پرانی حویلی سے اوپر ڈھلان پر واقع جھرنے کے کنارے بیٹھے تھے۔ پانی دس بارہ فٹ کی بلندی سے جھاگ بناتا نیچے گر رہا تھا۔ نیچے گول پتھر مسلسل پانی لگنے سے چکنے ہو گئے تھے۔ بظاہر ماحول نہایت رومینٹک تھا مگر مونا کا مزاج سخت برہم تھا۔ اس نے راحیل سے کہا۔

"میں اس منحوس کو قتل کر دوں گی۔ اس کی حرکتیں ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔ کل اس نے اشاروں اشاروں میں مجھے شادی کی پیش کش کی۔"

راحیل عجیب سے انداز میں مسکرایا "تو اس میں غصے کی کون سی بات ہے۔ تم ہو ہی ایسی کہ چار بیویوں والا بھی تیار ہو جائے۔ بے شک، اسے کسی بیوی کو طلاق ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ دیکھو جان، اپنا ٹمپر مت لوز کرو۔ بس دو تین دن کی بات ہے۔"

"دو تین منٹ بھی نہیں۔" مونا چلّا اٹھی۔

"ٹھیک ہے۔" اس دفعہ راحیل نے خشک لہجے میں کہا "تم اپنی مرضی سے پیچھے ہٹ رہی ہو لہٰذا مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا۔"

"پلیز راحیل، یہ سب ضروری تو نہیں ہے اور اگر ضروری ہے تو تم مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو۔" مونا رو دینے والے انداز میں بولی۔

"تم جانتے ہو، میں تمہارے کہنے پر جان بھی دے سکتی ہوں مگر مجھے اس شخص سے خوف آتا ہے۔"

"تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم ملک کی مشہور ترین فلم اسٹار ہو اور تم پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"میں جانتی ہوں، مجھے خود پر اعتماد بھی ہے مگر ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے اردگرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ صرف میاں محمود ہی نہیں کچھ اور لوگ بھی اس گھیرے میں شامل ہیں۔"

راحیل کا رنگ ایک لمحے کے لیے متغیر ہوا، وہ جلدی سے بولا۔

"یہ تمہارا وہم ہے۔ دیکھو صرف کل تک صبر کر لو۔"

"ٹھیک ہے، ویسے بھی پرسوں تک میرا کام ختم ہو جائے گا۔"

"مونا تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی تمہارے پاس وہ شیشی تو ہو گی جو میں نے دی تھی۔" راحیل کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

مونا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور فضا میں خنکی پھیلی ہوئی تھی۔

اگلی رات پورے چاند کی تھی اور میڈم پرچھائیں والے سین اسی رات فلمانا چاہتی تھی لہٰذا پرانی حویلی میں بڑی چہل پہل تھی۔ سین میں ایفیکٹ دینے کے لیے خصوصی آلات نصب کیے جا رہے تھے۔ سین میں حصہ لینے والے اداکاروں کا میک اپ ہو رہا تھا۔ مونا اور کوہسار حویلی کے لان میں تھے۔ حسبِ معمول کوہسار مونا کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پلیز کوہسار، اب اس موضوع کو ترک کر دو۔ میرے دل میں تمہاری بہت عزت ہے لیکن میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔"

"یا یوں کہہ لو کہ ماننا ہی نہیں چاہتیں۔" کوہسار نے گہری سانس لے کر بے بسی سے کہا۔

"چلو یہی سمجھ لو۔" مونا نے شال اپنے گرد لپیٹ کر کہا۔

میاں محمود کا ملازم خاص تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا "بی بی آپ کو راحیل صاحب اوپر بلا رہے ہیں۔"

کوہسار کی بھویں سکڑ گئیں "اوپر کہاں؟"

"وہ جی، اوپر دیوانِ خاص میں وہاں میاں جی بھی ہیں۔"

مونا نے برا سا منہ بنایا "تم جاؤ، میں آتی ہوں۔"

"نہیں جی، راحیل صاحب نے کہا تھا آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔"

اس نے دانت نکال کر کہا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔
"او کے کوہسار، جانا ہی پڑے گا۔" مونا نے انگریزی میں کہا۔
"ٹھیک ہے میں شوٹنگ پر جارہا ہوں۔ اب صبح ہی ملاقات ہوگی۔"

مونا ملازم کے ساتھ اوپر کی طرف بڑھی۔ وہ اس کے عین پیچھے چل رہا تھا۔ میاں محمود کا دیوانِ خاص، مہمان خانے کے عقب میں تھا اور اس تک جانے کے لیے انہیں سیڑھیاں چڑھنی پڑتی، نہ جانے کیوں مونا کو محسوس ہوا کہ عمارت کے اس حصے میں کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ عام طور پر یہاں ملازموں کی چہل پہل رہتی تھی۔ اس کو اپنے جسم میں سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی مگر وہ رکی نہیں۔ مہمان خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر وہ دیوانِ خاص والے حصے میں آگئے۔ یہاں طویل گیلری تھی جس کے ساتھ قطار میں کمرے تھے۔ حویلی میں یہ مردانے کا حصہ تھا اور اسے میاں منصور نے اپنی "خاص سرگرمیوں" کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ طرزِ تعمیر جدید تھا۔ دوسری منزل پر ہونے کے باعث ہر کمرے کے آگے بالکونی تھی۔ دیوانِ خاص گیلری کے آخر میں تھا۔ اس کی دو بیرونی دیواریں شیشے کی تھیں جن پر دبیز پردے تھے۔ یہ پردے ایک برقی نظام کے تحت پھیلتے اور سکڑتے تھے۔ جو ریموٹ سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔
جب مونا دیوانِ خاص میں داخل ہوئی تو پردے پھیلے ہوئے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ وہاں صرف میاں محمود موجود تھے۔
مونا نے مڑ کر ملازم سے کہا "تم تو کہہ رہے تھے کہ مجھے راحیل نے بلایا ہے۔"
"ابھی تو یہیں تھے بی بی جی۔" وہ شاطرانہ انداز میں مسکرانے لگا "نہ جانے کہاں چلے گئے۔"
اسی لمحے مونا نے عقب میں آہٹ سن کر پلٹنا چاہا کہ ایک ہاتھ اس کے منہ پر آکر جم گیا۔ تیز اور ناگوار بُو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اور چند سیکنڈ میں اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ ملازمِ خاص نے اسے گرنے سے پہلے سنبھال کر دیوانِ خاص میں ایک طرف لگی مسہری پر ڈال دیا۔
"اب کیا حکم ہے میاں جی؟"
"تمہیں معلوم ہے، میری طبیعت خراب ہے اور میں آرام کررہا ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولے۔
"میں سمجھ گیا میاں جی۔"
ملازمِ خاص کے جانے کے بعد میاں محمود نے مسہری کی سائڈ دراز سے دو عدد ہلکی زنجیریں نکالیں جن کے سروں پر تالے والے کڑے تھے۔ انہوں نے کڑے مونا کی کلائیوں میں ڈالے اور ان کے دوسرے سرے مسہری کے عقب میں لگے کنڈوں میں ڈال دیے۔ اب مونا ہل جل سکتی تھی مگر اٹھنے سے قاصر تھی۔ اسے بندھا چھوڑ کر میاں جی نے بوتل اور جام سنبھالا اور سامنے کرسی پر بیٹھ کر مونا کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے۔ اسے جو دوا سنگھائی گئی تھی۔ اس کا اثر آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد مونا کسمسانے لگی۔ میاں جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اگلے پانچ منٹ میں مونا کے ہوش و حواس پوری طرح بحال ہوچکے تھے اور وہ صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کررہی تھی۔ خود کو بندھے پاکر اسے میاں محمود کے عزائم بھانپنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ لرز اٹھی۔
"میاں جی، یہ سب کیا ہے؟" اس نے کانپتے لہجے میں کہا۔
جواب میں میاں جی اٹھ کر ڈگمگاتے قدموں سے اس کی طرف بڑھے۔

○☆○

کوہسار پرانی حویلی پر پہنچا تو وہاں پرچھائیں والا منظر فلم بند کیا جارہا تھا۔ یہ ویسا ہی منظر تھا جب پرچھائیں نے ٹُڈ پر حملہ کیا تھا۔ چار ری ٹیکس ہوچکی تھیں اور میڈم اب تک سین سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ وہ اداکار پر برس پڑی۔
"چار دن سے تم ریہرسل کررہے تھے اور یہ ہے تمہاری اداکاری۔ تمہیں بے حد خوف زدہ نظر آنا چاہیے۔"
"میں کوشش تو کررہا ہوں میڈم جی۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔
"یہ سعید بھی نہ جانے کن گدھوں کو پکڑلایا ہے۔" میڈم نے زیرِ لب کہا اور سین دوبارہ شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے کے کٹ کہتے ہی کیمرا اسٹارٹ ہوا۔ اداکار پر روشنی پڑنے لگی مگر ایسی جیسے اس پر چاندنی پڑرہی ہو۔ اس کے عقب میں تصویر بھی نمایاں نظر آرہی تھی۔ معاً پرچھائیں بلند ہونے لگی۔ اس دفعہ اداکار کے چہرے پر خوف ودہشت کے تاثرات صحیح معنوں میں نمایاں تھے۔ وسیع وعریض کمرے کے ایک کونے سے دو کیمرے اس منظر کو فلم بند کررہے تھے۔ باقی افراد تاریکی میں تھے۔ معاً اداکار کے پیروں کے قریب سے تیز چمک دار روشنی اٹھنے لگی۔ اس کا منہ پھٹ گیا۔ آنکھوں کے ڈیلے سفید ہوکر چمکنے لگے۔ جسم کی رگیں ابھر آئیں۔ یہ سب میک اپ اور روشنیوں کا کمال تھا۔ اس دفعہ منظر ٹھیک طریقے سے فلم بند ہوگیا۔ سب تالیاں بجانے لگے۔
میڈم، کوہسار کی طرف متوجہ ہوئی "کیسا رہا یہ سین۔"
"اے ون میڈم۔" اس کے لہجے میں سچائی تھی "اگر میں کہوں کہ یہ سین فلم کی جان ہوگا تو غلط نہیں ہوگا۔"
"اُف سردی کس قدر ہے۔" کام کے دباؤ سے نکلنے کے بعد میڈم کو احساس ہوا۔ اس نے تھرماس سے اپنے اور کوہسار کے لیے کافی نکالی۔ باقی لوگ پیک اپ میں مصروف تھے۔ معاً میڈم کو احساس ہوا جیسے کوئی اس کے قریب ہی غرایا ہو۔ بوکھلاہٹ میں اس کے ہاتھ سے مگ گرگیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔
"کیا ہوا میڈم؟" کوہسار اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔

”مم .... مجھے ایسا لگا جیسے کوئی درندہ میرے قریب ہی غرّایا ہو۔ کوہسار مجھے اس جگہ سے ڈر لگ رہا ہے۔“

کوہسار ہنس دیا ”وہم ہو گا میڈم! آپ اتنی دیر سے شوٹنگ میں مصروف ہیں ، تھک گئی ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ کو ایسی آوازیں آرہی ہیں۔ ابھی آپ واپس جا کر گرم پانی سے غسل کریں گی اور صبح تک سوئیں گی تو بالکل فریش ہو جائیں گی۔“

”نن ... نہیں ، مجھے وہم نہیں ہوا تھا۔“ میڈم بدستور خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی ”نہ جانے یہ راحیل کہاں چلا گیا تھا۔ ابھی تو یہیں تھا۔“

”راحیل ، کتنی دیر پہلے۔“ کوہسار چونکا۔

”تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے پھر پتا نہیں کہاں چلا گیا۔“

کوہسار کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اگر راحیل یہاں تھا تو میاں جی کے خاص ملازم نے مونا کو اس کا نام لے کر کیوں بلایا تھا۔ بُلوانے والا کون تھا اور اس کے مقاصد کیا تھے؟ یہ سوال کوہسار کے ذہن میں گونجنے لگا۔ اندیشے اور وسوسے اس کے اندر سر اٹھانے لگے۔ کیا میاں محمود نے اس طرح دھوکے سے مونا کو بلوایا تھا۔ جب کہ فلم یونٹ کے تمام ہی افراد پرانی حویلی میں تھے۔ یہ سوال دماغ میں آتے ہی کوہسار بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

’ خدا کرے میرے خدشات درست نہ ہوں۔‘ اس نے خود سے کہا۔

میڈم چونکی ”تم نے مجھ سے کچھ کہا ہے۔“

”نہیں ، میڈم آپ ٹھہریے بلکہ ایسا کیجیے فوراً حویلی پہنچیے۔“

یہ کہہ کر کوہسار دوڑ پڑا۔ میڈم جو پہلے ہی خوف زدہ تھی ، اسے بھاگتے دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو تیزی سے پیک اَپ کرنے کو کہا۔

کوہسار دوڑتا ہوا حویلی میں داخل ہوا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ دیوانِ خاص تھا کہاں مگر اس نے مونا کو ملازم کے ساتھ مہمان خانے کی سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دیوانِ خاص اوپری منزل پر کہیں تھا۔ کوہسار محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت یہ حصہ بالکل ویران ہے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کہیں مونا کسی سانحے سے نہ دوچار ہو چکی ہو۔ وہ مہمان خانے والے حصے کو نظر انداز کر کے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر پہنچ گیا۔ یہاں ایک گیلری تھی جس کے ساتھ دو کمروں کی قطار تھی۔ معاً میاں محمود کا ملازم خاص اس کے سامنے آگیا۔

”مونا کہاں ہے؟“ اس نے تیز لہجے میں ملازم گامے سے کہا۔

”کون مونا جی؟“ وہ سادگی سے بولا۔

”مونا جسے تم کچھ دیر پہلے لان سے لے گئے تھے۔“

”اچھا ، وہ بی بی جی ، وہ تو راحیل باؤ کے ساتھ چلی گئیں۔“

”بکواس نہ کرو۔ راحیل پرانی حویلی میں تھا پھر وہ مونا کو کیسے بلا سکتا تھا۔ تم جھوٹ بول رہے تھے۔ سچ سچ بتاؤ مونا کہاں ہے اور میاں جی کہاں ہیں؟“ کوہسار کے لہجے میں برہمی تھی۔

”میاں جی ، اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔“ گامے نے کن انکھیوں سے آخری کمرے کی طرف دیکھا ”دراصل ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“

کوہسار سمجھ گیا کہ میاں جی کہاں ہیں۔ وہ آخری کمرے کی طرف بڑھا۔ گاما پھر اس راہ میں آگیا۔

”باؤ ، میں نے کہا نا ، میاں جی آرام کر رہے ہیں۔ وہ کسی سے نہیں مل سکتے۔“ گامے نے روکھے انداز میں کہا۔

”ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔“ کوہسار نے ہیجانی انداز میں اسے ایک طرف دھکا دیا۔

گامے کی آنکھوں میں سرخی لہرائی ”باؤ ، میں آخری بار تجھے سمجھا رہا ہوں تو میاں جی کا مہمان ہے ، میں تجھ سے بدتمیزی نہیں کرنا چاہتا۔“

گامے کے لہجے میں دھمکی محسوس کر کے کوہسار ٹھٹک گیا۔ گاما اگرچہ ادھیڑ عمر تھا مگر جسامت اور قوت میں اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ اس دیوار کو راہ سے ہٹائے بغیر وہ میاں محمود یا دوسرے الفاظ میں مونا تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کوہسار نے دونوں ہاتھ پھیلائے جیسے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہا ہو۔ گامے جیسا پرانا گھاگ بھی اس کے جھانسے میں آگیا۔ اچانک کوہسار نے اس کی رانوں کے بیچ میں جوتے کی نوک ماری۔ گاما تڑپ کر جھکا تو اس نے اس کے بالوں سے اسے پوری قوت سے کھینچا اور جیسے ہی وہ اس کے قریب سے گزرا ، بال چھوڑ کر گامے کی تشریف پر لات ماری۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ اندھے بیل کی طرح گامے نے جا کر سامنے والی دیوار کو ٹکر ماری اور کراہتا ہوا وہیں لمبا لیٹ گیا۔ کوہسار کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ وہ دیوانِ خاص کی طرف بڑھا۔

○☆○

میاں محمود کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر مونا کی آنکھوں میں دہشت اُتر آئی۔ وہ منت سماجت پر اُتر آئی۔

”خدا کے لیے میاں جی ، میں تمہاری بیٹی کی طرح ہوں۔“

”بیٹی تو نہیں ہو۔“ میاں جی خباثت سے ہنسے۔

مسہری کے قریب کھڑے وہ کسی ایسے درندے سے مشابہ لگ رہے تھے جو اپنے شکار کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا ہو اور اسے یقین ہو کہ اس کا شکار بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا۔ وہ مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ ”تو نے مجھے بہت تڑپایا ہے۔ مجھے ان فلموں وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ صرف تیرے لیے میں نے فلم کی شوٹنگ کی اجازت دی اور اس کی قیمت میں تجھ سے وصول کروں گا۔“

مونا ممکنہ حد تک سمٹ کر مسہری کے دوسری طرف چلی گئی۔

اس کے آگے جانے میں زنجیریں حائل تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس وقت میاں محمود پر شیطان سوار ہے اور وہ اس کی منت سماجت نہیں سنے گا۔ وہ اس وقت سے خوف زدہ تھی جب میاں محمود اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ اس کے پاس ترپ کا ایک ہی پتا تھا۔ جس سے وہ اپنی آبرو بچا سکتی تھی۔ اس نے میاں جی سے کہا "مم ..... میں باتھ روم جانا چاہتی ہوں۔"

"چلی جانا' اطمینان سے چلی جانا۔ جلدی کیا ہے۔" میاں جی نے مسکرا کر کہا اور ان کا ہاتھ مونا کی طرف بڑھا۔ مونا بدک کر پیچھے ہٹی مگر پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہی کہاں تھی۔

"اپنے ہاتھ مجھ سے دور رکھو۔ تم نہیں جانتے تم کیا کرنے جارہے ہو؟"

میاں جی نے ایک بلند قہقہہ مارا "احمق لڑکی' مجھے بتا رہی ہے۔ جیسے میں پہلی بار یہ سب کرنے جارہا ہوں۔ تجھ سے پہلے کتنی ہی کلیاں اس سیج کو سجا چکی ہیں۔ افسوس کہ تو کلی نہیں ہے پھول بن چکی ہے۔"

مونا چونک اٹھی۔ میاں محمود کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ کنواری نہیں تھی۔ یہ بات تو اس نے اپنی ماں تک سے چھپائی تھی۔ وہ چلّائی۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا ورنہ تم بہت پچھتاؤ گے۔ جب تک زندہ رہو گے' جلتے رہو گے۔"

"جل تو میں اب بھی رہا ہوں اور یہی آگ بجھانا چاہتا ہوں۔"

مونا نے گہری سانس لی "میاں محمود پہلے میں جان کے خوف سے خاموش تھی مگر اب مجھے کوئی خوف نہیں ہے لہٰذا میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ میں ...."

دروازے پر ہونے والی دستک سے مونا کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ میاں جی جھنجلا گئے۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

دستک پھر ہوئی۔ میاں جی پھر چیخنے والے تھے کہ انہیں یاد آگیا کہ یہ عشرت کدہ ساؤنڈ پروف تھا۔ ظلم کا شکار ہونے والوں کی آوازیں اس کے در و دیوار سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی تھیں مگر انہیں باہر جانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ دستک اب مسلسل ہونے لگی تھی۔ میاں جی ڈگمگاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھے اور جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا' اس کے پٹ ایک جھٹکے سے کھل کر میاں جی سے ٹکرائے اور وہ زمین پر جا گرے۔ کوہسار آندھی کی طرح اندر داخل ہوا اور مونا کو بندھے دیکھ کر ایک لمحے کو اس کا دل ہی ڈوب سا گیا۔ وہ سمجھا کہ شاید میاں محمود اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے مگر جب اس نے غور سے مونا کی طرف دیکھا تو سکون کا ایک طویل سانس لیا۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ مونا کو سوائے باندھنے کے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ وہ بروقت پہنچ گیا۔

"خبردار ہاتھ اوپر کرو۔"

کوہسار نے چونک کر میاں جی کی طرف دیکھا۔ جب تک وہ مونا کی طرف متوجہ رہا میاں جی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر نہ جانے کہاں سے ایک عدد پستول برآمد کر لیا تھا اور اب کوہسار کو للکار رہے تھے۔ ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

"میاں جی' پستول نیچے کر لیجئے۔ آپ اس وقت ہوش میں نہیں ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کس گناہِ عظیم سے بچ گئے ہیں۔"

"خبردار' مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔" میاں جی دہاڑے۔

مونا دیکھ رہی تھی کہ کوہسار میاں جی سے ذرا بھی خائف نہیں تھا۔ اس نے کہا "میاں جی آپ کو باقاعدہ سازش کے تحت اس کام پر مجبور کیا گیا ہے اور سازش کرنے والے کا مقصد آپ سے انتقام لینا تھا۔"

مونا چونکی "کوہسار کس سازش کا ذکر کر رہا ہے۔ کوہسار کیا کہہ رہے ہو؟" وہ چلّائی۔

"تم چپ رہو۔" میاں جی نے اسے جھڑکا اور پھر کوہسار کو حکم دیا "فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ کتے کی موت مارے جاؤ گے۔"

"کوہسار' تم اسے بتاتے کیوں نہیں دیتے۔" مونا چیخی۔

"اچھا کیا بتا دے یہ ...." میاں جی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہی کہ مونا آپ کی بہن ہے' سوتیلی بہن۔ آپ کے والد میاں منصور کی دوسری بیوی کی بیٹی۔" کوہسار نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اور یہ سب ایک سازش ہے ...."

میاں جی کا ضرورت سے زیادہ کھلا منہ دیکھ کر وہ اسے حیرت کا اظہار سمجھا مگر اس کی سمجھ میں اس وقت آیا جب کوئی سخت سی چیز اس کے سر سے ٹکرائی۔ پہلے روشنی کا جھماکا ہوا اس کے بعد یک لخت آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے آخری آواز سنی۔ وہ مونا کی چیخ تھی۔

○☆○

تاریک بالکونی میں کھڑا راحیل سیاہ کپڑوں کے باعث تاریکی کا جزو لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کیمرا تھا اور وہ شیشے کے پار پردوں کی جھری سے دیوانِ خاص کا منظر بخوبی دیکھ رہا تھا۔ مونا بستر پر بندھی ہوئی تھی اور میاں جی اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راحیل کے مارے مسرت کے دانت نکلے جارہے تھے۔ وہ ان خاص لمحات کا منتظر تھا جب وہ اپنے کیمرے کو استعمال کرتا۔ اس کیمرے میں یہ خوبی تھی کہ یہ گھپ اندھیرے میں بھی تصویر اتار سکتا تھا اور اس کے لیے فلش کی ضرورت نہیں تھی۔ اس بات کا خطرہ موجود تھا کہ میاں جی روشنیاں بجھا دیتے۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ آج اس کے سینے میں پلتے برسوں پرانے انتقام کا پورا ہونے کا وقت آگیا تھا۔

میاں جی بستر پر بیٹھے تھے۔ ان کے اور مونا کے درمیان گفتگو جاری تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا راحیل کی جھلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ وہ زیر لب میاں جی کو گالیاں دے رہا تھا جو دیر کررہے تھے۔ بالآخر اس نے میاں جی کے ہاتھ کو مونا کی طرف بڑھتے دیکھا تو جلدی سے کیمرا سیدھا کرلیا مگر عین اسی لمحے میاں جی کا ہاتھ رک گیا پھر انہوں نے دروازے کی طرف دیکھ کر کچھ کہا اس کے بعد میاں جی خاصے غصے میں دروازے کی طرف بڑھے۔ راحیل کو یہ سوچ کر تشویش ہونے لگی کہ عین موقع پر کون آگیا۔ دروازہ کھلتے ہی کوہسار کو اندر گھستے دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ منصوبہ ناکام ہوگیا ہے۔ کوہسار کو نامعلوم کیسے علم ہوگیا تھا۔ راحیل کا جی چاہا کہ اس مداخلت پر اس شخص کو شوٹ کردے پھر اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ یہ کام میاں جی کرنے جارہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ کوہسار کو دھمکا رہے تھے اور یہ دیکھ کر راحیل کی خوشی کی حد نہ رہی کہ میاں جی کا خاص ملازم گاما دبے قدموں اندر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پیتل کا گلدان تھا۔ اس نے آتے ہی گلدان کوہسار کی کھوپڑی پر مارا اور وہ بے ہوش ہوکر نیچے گر گیا۔ اب میاں جی گامے سے کچھ کہہ رہے تھے۔ گامے نے بے ہوش کوہسار کو اٹھا کر صوفے پر لٹایا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ راحیل الجھن میں پڑ گیا۔ میاں جی ایسا کیوں کررہے تھے۔ اصولاً تو انہیں کوہسار کو دیوان خاص سے باہر بھجوادینا چاہیے تھا۔ اسے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ میاں جی ایک بار پھر مونا کی طرف بڑھے۔ اس نے فوراً مستعد ہوکر کیمرا سنبھال لیا۔

میاں جی مسہری کے قریب رکے۔ اب ان کے درمیان گفتگو ہورہی تھی۔ راحیل شدید جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوگیا۔ معاً میاں جی دوبارہ آگے بڑھے اور انہوں نے مونا کی کلائیوں سے کڑے کھول دیے۔ اسے آزاد ہوتے دیکھ کر راحیل اچھل پڑا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اس کی سازش الٹ چکی تھی۔ اس نے پھرتی سے کیمرا شانے پر لٹکایا اور بالکونی کے ساتھ لگے پائپ کو پکڑ کر نیچے اتر گیا۔ اسے اتنی جلدی تھی کہ اترنے کے بجائے اس نے پھسلنے کو ترجیح دی۔ زمین پر قدم رکھتے ہی وہ حویلی سے عقبی دروازے کی طرف بھاگا۔ جسے عموماً ملازمین استعمال کرتے تھے اور وہاں کوئی پہریدار نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہاں کوئی نہیں تھا۔ دروازے سے نکلتے ہی راحیل پوری قوت سے پرانی حویلی کی طرف دوڑا۔ اس کی بچت کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اپنی غیر موجودگی ثابت کردے۔ اسے امید تھی کہ پرانی حویلی میں اس کی غیر موجودگی کسی نے نہیں محسوس کی ہوگی۔ وہاں نہایت اہم سین فلم بند ہورہا تھا اور سب کی توجہ اسی جانب تھی۔ تقریباً پچیس منٹ پہلے وہ وہاں سے نکلا تھا۔ اگر کسی نے اس کی غیر حاضری محسوس بھی کرلی تو وہ .... حوائج ضروری کا بہانہ کرسکتا تھا۔

وہ پرانی حویلی کی پچھلی سمت سے اندر داخل ہوا۔ یہاں ٹوٹے کمروں کا ملبا بکھرا ہوا تھا۔ جس پر خاردار جھاڑیاں اگ آئی تھیں۔ یہ مشکل راستہ بناتے ہوئے وہ شمالی حصے کی طرف بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ سین کی شوٹنگ تصویر والے کمرے میں ہورہی تھی۔ وہ راہ داری سے ہوتا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شوٹنگ کی وجہ سے سنّاٹا چھایا ہوا ہے مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ کمرا بالکل خالی تھا۔ یعنی شوٹنگ کرنے والے جاچکے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ لوگ اتنی جلدی سین کرکے پیک اپ بھی کرکے چلے گئے۔ گویا وہ اس وقت پرانی حویلی میں اکیلا تھا۔ اس کے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا مگر دروازہ جیسے جام ہوگیا تھا۔ اس نے بار بار لٹو گھمایا۔ دروازہ نہیں کھلا۔ معاً اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے عقب میں کوئی غرّایا ہو۔ وہ بوکھلا کر مڑا مگر عقب میں کوئی نہیں تھا۔ اب کمرے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ یعنی کھڑکی' اور راحیل خود میں اتنی ہمت نہیں پارہا تھا کہ کھڑکی کی طرف بڑھے۔ خوف سے اس کا رُواں رُواں لرز رہا تھا اور اس کے ذہن میں وہ تمام کہانیاں گھوم رہی تھیں جو وہ پرانی حویلی کے آسیب کے بارے میں سن چکا تھا۔ بہرحال باہر تو نکلنا تھا۔ وہ کھڑکی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غرّاہٹ دوبارہ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کھڑکی سے ایک سیاہ سی چیز اٹھنے لگی۔

"نہیں... نہیں۔" راحیل کے منہ سے اضطراری طور پر نکلا۔ وہ بلاشک وشبہ ہنو تھا۔ حویلی کا آسیب پرچھائیں۔ "نہیں...۔" وہ ایک بار پھر زور سے چیخا اور زمین پر گرتا چلا گیا۔

○☆○

اس رات راحیل کی لاش پرانی حویلی میں مل گئی اور غم سے نڈھال میڈم شوٹنگ منسوخ کرکے لاہور روانہ ہوگئی۔ کوہسار قانونی کارروائی نمٹا کر لاش لے کر واپس لاہور پہنچا اور اس روز فلم انڈسٹری کے معروف ہیرو کو ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کردیا گیا۔ میڈم نے عدت کے وقت تک ہر قسم کی سرگرمیاں ترک کرنے کا اعلان کردیا۔ اس نے فلم کی بقیہ شوٹنگ اپنے نائب سعید کے سپرد کردیں۔ اس سے پہلے فیصلہ ہوچکا تھا کہ میاں پور کی باقی ماندہ شوٹنگ اب اسٹوڈیو میں ہوگی۔ راحیل اور مونا کا کام تقریباً مکمل تھا۔ راحیل کا تھوڑا بہت کام جو رہ گیا تھا' اسے ڈپلی کیٹ کی مدد سے مکمل کرنے کا پروگرام بنایا۔

راحیل کے سوئم کے اگلے دن کوہسار میڈم کی کوٹھی پر تھا۔ وہ دونوں میڈم کے اسٹڈی روم میں تھے اور سیاہ لباس میں میڈم رنج و الم کا مجسمہ نظر آرہی تھی۔ میڈم کوہسار سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا۔ یہ سب راحیل نے کیا تھا۔"

کوہسار نے سرد آہ بھر کر کہا "میڈم یہ سب راحیل فانی کا کھیل

ہی تھا۔ درحقیقت انتقام ایسی چیز ہے کہ انسان ناقابلِ یقین حد تک گندے کام کرجاتا ہے۔ جب وہ میرے پاس اس فلم کا آئیڈیا لے کر آیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کتنا طویل اور پیچیدہ کھیل کھیلنے جارہا تھا۔ راحیل... کا آئیڈیا مجھے زبردست لگا اور یہ جان کر میری دلچسپی مزید بڑھ گئی کہ یہ سارے واقعات اور یہ آسیبی پرچھائیں حقیقت بھی رکھتی ہے۔ بنیاد اس نے مجھے فراہم کی اور کہانی میں نے مکمل کی۔ راحیل نے یہ یقین بھی دلایا تھا کہ میڈم اس پر فلم ضرور بنائیں گی۔"

"ہاں، میں اس کے مجبور کرنے پر میاں پور گئی تھی۔" میڈم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "اگر وہ مجھے مجبور نہ کرتا تو میں یہ فلم بنانے کا ارادہ ترک کرچکی تھی۔ چوہدری سلامت نے مجھے اپنی دو فلموں کی ہدایت کاری کی پیش کش کی تھی۔"

"یہ بھی راحیل کا اصرار تھا کہ شوٹنگ میاں پور میں ہوگی اور اسی کے کہنے پر ہی میں اس شرط پر اڑ گیا تھا۔ دراصل مجھے بھی یہ خیال بھا گیا تھا۔ اگر فلم کی کہانی کو اس کے اصل مقام پر فلمایا جائے تو اس کا تاثر ہی کچھ اور ہوجاتا ہے۔ راحیل نے ہر کام پوری منصوبہ بندی سے کیا تھا اور وہ خاصے عرصے تک اس پر سوچتا رہا ہوگا۔"

"کوہسار۔" میڈم نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا "اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے کھل کر بتاؤ۔ ابھی تک میں اندھیرے میں ہوں۔"

"آپ کو نہیں معلوم۔" کوہسار نے حیرانی سے کہا "آپ جانتی ہیں کہ راحیل.... میاں پور کا رہنے والا تھا۔"

میڈم نے اثبات میں سرہلایا "اگرچہ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا مگر میں نے بعد میں پتا چلا لیا تھا۔ وہ میاں محمود کے اصطبل کو آگ لگا کر بھاگ آیا تھا۔ اصطبل میں لاکھوں روپے کے قیمتی گھوڑے تھے جو جل مرے اور راحیل نے یہ سب اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے کیا تھا۔ وہ بھی پرچھائیں کا شکار ہوا تھا۔ راحیل نے مجھے اپنا نام بھی غلط بتایا تھا۔ اس کا اصل نام اقبال سلیم تھا۔ میں اس کی غلط بیانیوں سے واقف تھی مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والی ہر ہیروئن کے ساتھ پینگیں بڑھاتا ہے۔ میں اس کے اور مونا کے تعلق سے بھی بے خبر نہیں تھی۔"

کوہسار نے ہمدردی سے میڈم کی طرف دیکھا۔ جو جانتے

بوجھتے اپنے شوہر سے دھوکا کھا رہی تھی۔۔"راحیل کے انتقام کی آگ سرد نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ سے شادی اور فلم کے سپر اسٹار بن جانے کے بعد یہ آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔ جسے سرد کرنے کے لیے اس نے اتنا خوف ناک اور.......... گھناؤنا منصوبہ بنایا۔ راحیل نے ایک بھائی کے ہاتھوں اس کی بہن کی بے حرمتی کروانا چاہی تھی ہی نہیں بلکہ وہ ان کی تصویریں بھی لینا چاہتے تھے تاکہ بعد میں ان کی تشہیر کر کے میاں خاندان کو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں۔ اسے اس مظلوم لڑکی کا خیال بھی نہیں آیا جو اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ مونا کو بھی دھوکا دے رہا تھا اور اسے اپنے انتقام کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔"

میڈم نے جھرجھری لی "مجھے اب تک یقین نہیں کہ وہ یہ سب کر سکتا ہے۔"

کوہسار پھیکے انداز میں مسکرایا "خوب صورت چہرے اکثر دھوکا دے جاتے ہیں۔ ویسے مجھے راحیل کی دلیری پر حیرت ہے۔ کیا اسے یہ خوف نہیں تھا کہ میاں محمود یا دوسرے لوگ اسے پہچان لیں گے۔"

میڈم نے نفی میں سر ہلایا "فلم انڈسٹری میں لانے سے پہلے میں نے اس کی معمولی سی پلاسٹک سرجری کرائی تھی پھر اس نے بالوں کا رنگ بھی تبدیل کر لیا تھا۔ وہ خاصا بدل گیا تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی تھی کہ اسے میاں پور میں کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ ویسے بھی اس بات کو بارہ سال گزر چکے تھے۔"

کوہسار نے تاسف سے کہا "راحیل نے ایک فضول سے اور بے معنی انتقام کے پیچھے اپنی جان گنوا دی۔ میاں پور میں اس نے باقاعدہ پلاننگ کر کے میاں محمود کو مونا کی جانب متوجہ کیا۔ ویسے تو میاں محمود خود ہی عیاش آدمی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مونا جیسی حسین لڑکی سے متاثر نہ ہوتا۔ اس کے آتشِ شوق کو خود راحیل نے ہوا دی۔ پھر مونا کی بے رخی اور بیزاری نے میاں محمود کی انا پر تازیانہ لگایا اور بہر صورت مونا کو اپنے حلقۂ دام میں لانے پر تل گیا۔ دوسری طرف راحیل مونا کو سمجھاتا رہا کہ وہ میاں محمود پر توجہ دے ورنہ اس کی ناراضگی فلم پارٹی کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔"

اسٹڈی میں ناگوار خاموشی چھا گئی۔ جسے میڈم نے توڑا "اس شام کیا ہوا تھا کوہسار؟"

"اس شام۔" کوہسار نے گہری سانس لی "اس شام جو نہیں ہوا' وہی بہتر تھا۔ اگر راحیل اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو بہت تباہی آتی۔ مونا تباہ ہو جاتی۔ ممکن ہے ہم سب میاں محمود کے غیظ و غضب کا شکار ہو جاتے۔ خود راحیل بھی نہ بچتا۔ اس شام کو میں اور مونا لان میں تھے جب میاں محمود کے خاص ملازم نے مونا کو بتایا کہ اسے راحیل صاحب بلا رہے ہیں۔ یہ جھوٹ تھا۔ راحیل اس وقت پرانی حویلی میں تھا مگر عین موقع پر وہ خاموشی سے وہاں سے سرک لیا اور نئی حویلی کے عقبی دروازے سے اندر آیا اور پائپ کے ذریعے بالکونی پر چڑھ گیا۔ اس نے پہلے ہی پردوں کے میکنزم میں کوئی ایسی خرابی پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے دیوانِ خاص کے پردے پوری طرح پھیل نہیں سکے اور اس جھری سے راحیل اندر کی تصویریں بنا سکتا تھا۔ اس نے ایک دو تصویریں لی بھی تھیں جن میں مونا بستر پر بندھی نظر آ رہی ہے۔"

کوہسار نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میڈم کو دکھائی۔" یہ تصویر راحیل کے کیمرے کی ریل سے نکلی تھی مگر اس کے بعد میری مداخلت کے باعث میاں محمود کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ راحیل صورتِ حال کو پلٹتے دیکھ کر پرانی حویلی کی طرف بھاگا تاکہ فلم پارٹی میں شامل ہو جائے اور بعد میں اس سازش سے انکار کر سکے مگر اس کی بدقسمتی کہ اس وقت تک پارٹی پیک اپ کر کے جا چکی تھی۔"

"ہاں' میں اتنی تھک گئی تھی کہ جاتے ہی پڑ کر سو گئی تھی۔ یہی حال دوسرے افراد کا بھی تھا۔ مجھے تو صبح راحیل کی گمشدگی کا احساس ہوا اور پھر.... اس کی لاش ہی ملی۔"

کوہسار نے بات جاری رکھی "عین اس وقت جب میں میاں محمود کو بتا رہا تھا کہ مونا اس کی سوتیلی بہن ہے اس کے خاص ملازم نے میرے سر پر کچھ دے مارا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ خوش قسمتی سے نشے میں دھت ہونے کے باوجود میرے الفاظ میاں محمود کی سمجھ میں آ گئے اور اس کے ساتھ ہی اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اس نے مونا کو کھول کر تصدیق چاہی تو مونا نے بھی اعتراف کر لیا کہ وہ اس کی بہن تھی اور اب تک جان کے خوف سے خاموش تھی۔ یہ سنتے ہی میاں محمود کی حالت غیر ہو گئی کہ وہ اپنی ہی بہن کی بے حرمتی کرنے جا رہا تھا۔ وہ اتنا جذباتی ہوا کہ اپنے پستول سے خود کو گولی مارنے لگا تھا۔ اس موقع پر مونا نے بروقت اس سے پستول چھین لیا۔"

"میں آپ کو خودکشی نہیں کرنے دوں گی بھائی۔" مونا نے مضبوط لہجے میں کہا۔

" مونا کے منہ سے بھائی کا لفظ سن کر میاں محمود رونے لگا اور اپنا منہ نوچنے لگا۔ مونا نے بہ مشکل اسے قابو کیا۔ دراصل خاندانی روایت کے مطابق وہ خود بھی میاں منصور کی اکلوتی اولاد تھا لہٰذا اچانک ایک بہن پا کر وہ اور بھی ان حالات میں.... جذباتی ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے ہوش آ گیا۔ مونا نے میرے زخمی سر کی مرہم پٹی کر دی۔ پین کلر گولیاں کھا کر میرے ہوش و حواس کسی قدر بحال ہوئے۔ میاں محمود نے مجھ سے بھی معافی مانگی۔ اس کے بعد میں نے اسے اور مونا کو تمام حالات اور راحیل کی سازش سے آگاہ کیا۔ مونا کی کیفیت عجیب تھی۔ میاں محمود کے سامنے وہ کھل کر اپنی محبت کا ماتم بھی نہیں کر سکتی تھی اور میاں محمود کا غصے سے برا حال ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خاص ملازم گامے سے چیخ کر کہا۔

"جا اس حرامی کو تلاش کر اور کتے کی طرح کھینچ کر میرے پاس

لے آ۔"

"میں نے میاں محمود کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی مگر وہ بالکل ہی بے قابو ہو رہا تھا۔ "مجھے مت روکو۔ اگر وہ کتا اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتا تو میرے پاس سوائے خودکشی کے کون سا راستہ باقی رہ جاتا۔"

"میرے خیال میں اس کے اشتعال کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ راحیل ممکنہ طور پر اسے بتا چکا تھا کہ اس کے اور مونا کے خفیہ تعلقات تھے اور کوئی شخص خاص طور سے میاں محمود جیسا جاگیردار اس بات کو کیوں کر برداشت کر سکتا تھا۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر راحیل، میاں محمود کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا تو میاں پور سے اس کی زندہ سلامت واپسی ناممکن ہو جائے گی۔ مجھے امید تھی کہ خطرہ بھانپ کر راحیل نے اب تک میاں پور چھوڑ دیا ہوگا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ میاں پور نہیں دنیا ہی چھوڑ چکا ہوگا۔"

"بہت برا کیا راحیل نے۔" میڈم نے دکھ بھرے لہجے میں کہا "اور اس کا خمیازہ بھی بھگت لیا۔ یہ بتاؤ کہ یہ بات کتنے آدمیوں کے درمیان ہے۔"

کوہسار، میڈم کا مطلب سمجھ گیا تھا "آپ بے فکر رہیں۔ یہ بات صرف میرے، آپ کے، مونا اور میاں محمود کے درمیان ہے۔ راحیل کے مرنے کے بعد ان کے کچھ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور رہا میں تو عنقریب مونا میری عزت بننے والی ہے اور ظاہر ہے میں اپنی عزت خود تو اچھالنے سے رہا اور رہا میاں محمود نے باضابطہ طور پر مونا کو اپنی بہن تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اپنی زیادتی پر اس قدر پشیمان ہیں کہ انہوں نے جائیداد و زمین میں سے مونا کا حصہ اس کے نام کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ انہوں نے اپنا طرز زندگی بھی تبدیل کر دیا ہے۔"

"تمہیں نئی زندگی مبارک ہو۔" میڈم نے پورے خلوص سے کہا "میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں لیکن....." میڈم کسی قدر ہچکچائی "تم جانتے بوجھتے کہ مونا نہ صرف راحیل سے محبت کرتی تھی بلکہ خود کو اس کے حوالے بھی کر چکی تھی، اس سے شادی پر تیار ہو گئے۔"

"کیونکہ میں بھی مونا سے محبت کرتا ہوں اور محبت میں محبوب کی اچھائیاں، برائیاں سب قبول کرنا پڑتی ہیں۔" کوہسار خاموش ہوا، پھر بولا "ویسے آپ کو یہ اطلاع بھی دینے آیا تھا کہ مونا اب فلموں میں کام نہیں کرے گی، اس کا فلمی کیریئر آپ سے شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہو گیا ہے۔ معاہدے کے تحت وہ ابھی آپ کی ایک فلم میں کام کرنے کی پابند ہے۔ اگر آپ اصرار کریں گی تو وہ فلم میں کام کرے گی... ورنہ...."

"میں اسے معاہدے سے آزاد کرتی ہوں۔" میڈم نے بے ساختہ کہا "لیکن ایک شرط ہے۔ اگر آئندہ مونا نے کبھی بھی فلم انڈسٹری میں قدم رکھا تو وہ سب سے پہلے میری فلم میں کام کرے گی۔"

"مجھے یہ شرط مونا کی طرف سے منظور ہے۔" کوہسار مسکرایا "ویسے مجھے امید ہے کہ مونا دوبارہ فلم میں کبھی کام نہیں کرے گی، اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"کوہسار میں چاہتی ہوں کہ میری آئندہ فلم بھی تم ہی لکھو۔"

"بسروچشم..... آپ میری محسن ہیں۔ جب انڈسٹری میں کوئی میری کہانی سننے کو تیار نہیں تھا، آپ نے اس پر فلم بنائی۔" کوہسار اٹھ کھڑا ہوا "لیکن ایک بات یاد رکھئے گا، میں نے اپنا معاوضہ بڑھا دیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے مگر مجھے امید ہے کہ تم اس میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور کرو گے۔"

"بہ شرط کہ میرے ایک سوال کا جواب مل جائے۔" کوہسار کا لہجہ معنی خیز تھا "پرانی حویلی کے آسیب کا شکار ہونے والے تمام افراد کی لاشیں بری طرح جھلسی ہوئی ملی تھیں مگر راحیل کی لاش بالکل صحیح سالم پائی گئی۔ ڈاکٹر کے مطابق اس کی موت کی وجہ حد سے زیادہ دہشت تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ راحیل کی لاش دوسروں سے مختلف کیوں پائی گئی۔"

میڈم نے پرخیال نظروں سے کوہسار کی طرف دیکھا "میرا خیال ہے میں معاوضے میں رعایت کے مطالبے سے دست بردار ہو جاتی ہوں۔ ویسے بھی ہماری فلم انڈسٹری میں بے چارے رائٹر کو زیادہ معاوضہ ملتا ہی کہاں ہے۔"

"درست فرمایا۔" کوہسار مسکرایا اور رخصت ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد میڈم غور کر رہی تھی کہ کیا کوہسار اصل بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس رات راحیل کا جس پرچھائیں کو دیکھ کر ہارٹ فیل ہوا تھا، وہ فلم میں استعمال ہونے والی پرچھائیں تھی اور اسے سعید نے اس طرح استعمال کیا تھا کہ وہ بالکل اصلی لگ رہی تھی۔ نتیجہ ان کی توقع کے عین مطابق رہا۔ میڈم راحیل سے تنگ آ چکی تھی۔ اس کے ہرجائی پن اور اس کی مسلسل ناکام اداکاری میڈم پر بوجھ بن گئی تھی۔ میڈم کوئی بھی بوجھ زیادہ عرصے تک خود پر طاری رکھنے کی قائل نہیں تھی مگر زندگی تنہا بھی نہیں گزاری جا سکتی تھی۔ میڈم کی نظروں نے بہت پہلے سعید احمد میں چھپی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا۔ وہ ایک اچھا ہدایت کار اور ایک اچھا شوہر بن سکتا تھا۔ میڈم خوش تھی کہ ایک برے شوہر سے چھٹکارے کے فوراً بعد ایک اچھا شوہر مل جانا اس کی خوش قسمتی کی دلیل تھی۔ اب اس عمر میں عورت کو بھلا شوہر کہاں ملتا ہے۔

△